سلسلہ مطبوعات نمبر (۱)

وَاردھَا کی تعلیمی اسکیم اور مُسلمان

دائرہ طلوعِ اسلام دہلی

چوتھا اڈیشن

قیمت ۱ ر

متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب

حضرت علامہ اقبالؒ کے نظریۂ قومیت کے جواب میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب

نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے چونکہ علامہ اقبالؒ کے انتقال کے چھ ماہ بعد یہ جواب منظر

عام پر آیا ہے، جسکے معنی یہ ہیں کہ حضرت مولانا نے نہایت غور و فکر کے بعد اسکو مرتب

فرمایا ہے اسلیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے اسکا ایک

مفصل جواب شائع ہو۔ یہ رسالہ "متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب" اسی کا مدلل

اور مسکت جواب ہے، جس میں شرح و بسط کیساتھ مولانا مدنی کے دلائل کا جواب

کتاب و سنت کی روشنی میں دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسلام میں متحدہ قومیت

کا تصور کیا ہے، اور فرنگی لغت میں اس کی کیا تشریح ہے، اسلام

کا نظریہ، فرنگی یا یورپی نظریہ سے کس طرح متصادم ہوتا ہے

مغرب کے ایجاد کردہ قومی تصور میں کیا کیا مفاسد پوشیدہ ہیں،

یہ کتاب آجکل کے جملہ قومی و سیاسی مباحث کے

لیے قول فیصل کا حکم رکھتی ہے،

قیمت ۲ر علاوہ محصول

ناظم۔ طلوع اسلام بلیماران دھلی

وارڈھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

(ایک عظیم الشان خطرہ سے آگاہی)

(رازی)

تمہید

تاریخ عالم کے زمانہ قدیم پر نگاہ ڈالیئے تو آپ کو نظر آئیگا کہ قوت وسطوت کی مالک قومیں دوسری قوموں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے قتل و غارتگری اور کشت و خون کے کیا کیا طریقے اختیار کرتی ہیں، چنگیز خاں و ہلاکو کی خونچکاں داستانیں صفحات تاریخ پر خون کے حروف میں لکھی ملتی ہیں، فرعون و نمرود، شداد و ہامان کے جور و استبداد کے واقعات پڑھنے والے کی روح میں کپکپی پیدا کر دیتے ہیں، یہ دور جہالت تھا، علانیہ سبعیت و بربریت کا زمانہ تھا عصر حاضر کا مہذب انسان اس دور وحشت کو سخت نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے زمانہ کو خدا کی برکتوں اور رحمتوں کا زمانہ سمجھتا ہے کہ جس میں قتل و خونریزی کی وہ داستانیں نہیں دہرائی جاتیں جس میں اسے انسانیت تڑپتی، بلکتی، پھڑکتی نظر آئے لیکن جو لوگ حقایق اشیاء کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں اُن پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ عصر حاضر کا مہذب انسان بھی دوسروں کی ہلاکت اور بربادی میں عہد جہالت کے وحشی انسان سے کسی حالت میں کم نہیں ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عہد جہالت تھا جس میں انسان نے ابھی یہ نہ سیکھا تھا کہ اپنی ستم کوشیوں اور ظلم رانیوں کو کس طرح اصلاح و بہبود کے خوش آئند نقاب اُڑھائے وہ جو کچھ کرتا تھا کھلم کھلا کرتا تھا، بتا کر، جتا کر، دکھا کر کرتا تھا لیکن آج انسان عقل و حکمت میں بہت ترقی کر چکا ہے۔ آج اس کھلم کھلا اپنی ہوس خون آشامی کو پورا کرنا حماقت سمجھا جاتا ہے آج سب سے زیادہ مدبر، سب سے زیادہ ہوشیار وہ ہے جو دوسروں کا خون اس انداز سے پی جائے کہ اسکا دھبہ تک کہیں نظر نہ پڑے۔ وہ دوسروں کی متاع حیات کو اس مشفقانہ انداز سے لوٹ لے کہ اسپر رہزن و قزاق ہونے کا شبہ تک نہ ہو، وہ ناصح و مصلح کے معصوم لباس میں قوم کی قوم کو تباہ کر جائے، دریں حالت کہ لٹنے والوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ دور جہالت کا وحشی اور ظالم انسان آج تک بدنام چلا آتا ہے کہ اسکے جور و ستم کی ہلاکت آفرینیاں گویا ایک طوفان بلا خیز ہیں جو کف بر دہاں بڑھتا، امنڈتا چلا آتا ہے کہ جس کی طغیانیوں کو اندھے بھی دیکھتے ہیں اور جسکی شور انگیزیوں کو بہرے بھی سنتے ہیں لیکن دور حاضر کے مہذب

انسان کی استہلاک و تخریب کی چالیں ایک پُر سکوت دریا کی مانند ہیں کہ جس کی روانیوں میں نہ شور ہے نہ تموج لیکن سطح آب کے نیچے ایسے ایسے خوفناک مگر مچھ چھپے چلے آتے ہیں کہ قوم کی قوم کو تباہ کر دیں لیکن نہ دیکھنے والی آنکھیں دیکھ سکیں اور نہ سننے والے کان سن سکیں، اس پر سکوت طریق تخریب اور اس آتش خاموش میں سب سے بڑا حصہ تعلیم کو حاصل ہے، آپ جس قوم کو تباہ و برباد کرنا چاہیں، نہایت خاموشی سے اُس کے طریق تعلیم کو بدل دیجئے۔ وہ رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر ہلاکت و بربادی کے عمیق و مہیب غاروں میں کھنچی چلی جائے گی اور اُسے پتہ اُسوقت چلے گا جب وہ سکرات موت کی ہچکیاں لے رہی ہو گی، حضرت اکبر مرحوم نے اس جانکاہ حقیقت کو کسقدر بلیغ اور اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

انگریزوں کا طرزِ عمل

جب ہندوستان میں انگریزوں کے پاؤں جمنے شروع ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے مسئلہ تعلیم ہی کو لیا لارڈ میکالے کی مشہور و معروف کمیٹی کی روئداد کس کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ سوال یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو انگریزی تعلیم دیجائے یا نہیں، خود انگلستان میں اس مسئلہ کے موافق و مخالف دو پارٹیاں بن گئی تھیں سوال اتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ جب تک حل نہ ہو کسی کو چین نہ پڑا ہندوستانی دل میں سمجھتے ہونگے کہ اللہ میاں نے کیسے فرشتوں کو ہم پر حکومت کرنے کے لئے بھیجدیا ہے جو ہماری تعلیم کے لئے یوں گھلے جا رہے ہیں، وہ جماعت جو انگریزی تعلیم کے مخالف تھی، اُن کے دلائل بڑے قوی تھے لیکن لارڈ میکالے نے اس کے خلاف ایک ایسی محکم دلیل پیش کی کہ جس کے سامنے فریق مخالف کے تمام دلائل دھرے کے دھرے رہ گئے، اُس نے کہا کہ انگریزی تعلیم دینے سے آہستہ آہستہ ہندوستانی ایک ایسی قوم میں تبدیل ہو جائینگے جو رنگ اور نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگی لیکن خیالات رجحانات، تہذیب، معاشرت کے لحاظ سے یکسر مغربی ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی قوم اپنی مخصوص تہذیب و تمدن کو کھو بیٹھے تو وہ ایک ایسا جسم بن کے رہجاتی ہے جس سے روح پرواز کر چکی ہو، چنانچہ اس دلیل کو بڑا وزن دار سمجھا گیا اور ۱۸۳۵ء میں فیصلہ ہو گیا کہ ذریعہ تعلیم انگریزی ہونا چاہیئے۔ یہ تو تھا بنیادی مسئلہ، اب یہ معاملہ پیش ہوا کہ اس طریق تعلیم میں جاذبیت کیسے پیدا کی جائے۔ تو اس کے لئے ۱۸۴۴ء میں لارڈ ہسٹینگز نے اعلان کر دیا کہ ملازمت میں ترجیح اس کو دیجائے گی جو انگریزی جانتا ہو یعنی جس طرح کُنین تلخ کرنے کے زہر کو حلوے میں لپیٹ کر دیا جاتا ہے اسی طرح اس تعلیم کو روٹی میں لپیٹ کر پیش کیا گیا، ہندوؤں پر تو اس طریق تعلیم کا کوئی مضر اثر نہیں پڑ سکتا تھا کہ اُن کی کوئی مخصوص تہذیب نہیں، تمدن نہیں، مذہب نہیں اس لئے

اُن سے چھین کیا سکتا تھا، اُن کو نقصان کچھ نہ ہوا اور روٹی ضرور مل گئی لیکن مسلمان پر اس کا کیا اثر ہوا۔ یہ ہم سے نہیں خود ایک فاضل انگریز سے سنئے کہ اُس طرح بتدریج اسلامی ہندوستان دارالحرب بنا دیا گیا اور ایک عظیم الشان روایات کی حامل قوم دنیا میں یوں بے وقعت کر کے رکھ دی گئی۔[۱]

ہندو ذہنیت

وہ دَور اب ختم ہو رہا ہے۔ حکومت اور قوت رفتہ رفتہ انگریز کے ہاتھ سے چھین کر ہندو اکثریت کے ہاتھ میں منتقل ہو رہی ہے۔ مسلمان کی تخریب اور بربادی میں جو کچھ انگریز نے کیا وہ سارا نقشہ ہندوؤں کے سامنے ہے اور چونکہ ہندو نے سیاست سیکھی ہی انگریز سے ہے، اسلئے آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم۔ جو کچھ ان کے استادوں نے کیا وہی کچھ یہ کر رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں ان میں ایک گروہ تو ڈاکٹر مونجوں اور بھائی پرمانندوں کا ہے، جو علانیہ کہتے پھرتے ہیں کہ بھارت ماتا کی پوتر بھومی ان ملیکش مسلمانوں کے چرنوں سے اپوتر نہیں رکھی جا سکتی۔ انہیں یا تو ہندو بن کر رہنا ہوگا یا عرب کی طرف چلے جانا پڑے گا۔ لیکن یہ طریق کار اس دَورِ جاہلیت سے ملتا جلتا ہے جس کا ذکر ہم شروع میں کر آئے ہیں۔ اِس لئے انہی میں کا دوسرا گروہ اِس طریقِ کار کو ترجیح دیتا ہے جو دَورِ "تہذیب" کی ایجاد ہے، اور جس پر انگریز عمل پیرا رہا ہے یعنی وہ ایک ناصحِ مشفق بنتا ہے وہ سادہ منش، خدا رسیدہ، مہاتما کا چولا پہنتا ہے اور ایسا ہم رنگِ زمیں دام بچھاتا ہے کہ بھولے بھالے پرندے سمجھ بھی نہیں سکتے کہ یہاں کوئی پھانسنے کی ترکیب بھی کر رکھی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مہاتما گاندھی ایک عرصہ سے اپنے آپ کو عملی سیاست سے الگ بتا رہے ہیں حتےٰ کہ جب کانگریس کے کسی طرزِ عمل کے متعلق ان سے شکایت کی جاتی ہے تو وہ کہدیتے ہیں کہ بابا میں تو "چار آنہ والا" ممبر بھی نہیں ہوں۔ میں ایشور بھگتی میں لگا ہوا ہوں مجھے دنیا داروں کے ان جھگڑوں سے کیا واسطہ۔ جب انہوں نے عملی سیاست کو چھوڑا تو سب سے پہلے اچھوتوں کے اُدھار (اصلاح) کی اسکیم کو ہاتھ میں لیا، انہوں نے دیکھ لیا کہ آئندہ ہندوستان کا نظامِ حکومت جمہوری ہوگا جس میں تمام امور کا فیصلہ کثرتِ رائے یعنی آبادی کے شمار کے اعتبار سے ہوگا، جو قوم تعداد میں زیادہ ہوگی وہی حکومت کرے گی۔ اچھوتوں کے ساتھ جو سلوک ہندوؤں نے روا رکھا ہے وہ خود اچھوتوں کی حالت سے ظاہر ہے، آج چونکہ عام بیداری کا زمانہ ہے اس لئے اچھوتوں نے بھی اپنی ذلت و خواری کا احساس کیا۔ مہاتما جی کو فکر لاحق ہوگئی کہ اگر انہوں نے

---

[۱] The Indian Muslims By Dr. Hunter

ان مظالم کے انتقام کے طور پر جو ہندوؤں نے صدیوں سے ان پر توڑ رکھے ہیں، یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ ہندوؤں سے الگ ہوتے ہیں تو سوراج کس کام کا، فوراً نوع انسان کی ہمدردی کی رگ اُن کے نحیف و لاغر جسم میں پھڑک اٹھی، پست و زبوں حال اچھوت کی دُکھ بھری داستان سنے ان کا جگر خون کر دیا۔ اُن پر رات کی نیند اور دن کا چین حرام ہو گیا۔ پونہ میں پھر ان تیاگ برت رکھا گیا، اور جب تک یقین نہیں ہو گیا کہ اچھوت مردم شماری کے رجسٹر میں اپنے آپ کو ہندو ہی لکھوائیں گے، کسی اور طرف توجہ ہی نہیں کی، یہ مہاتما جی کی زندگی کا پہلا نصب العین ہے اس کے بعد ایک اور اہم مسئلہ ان کے سامنے آیا، وہ بساطِ سیاست کو بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک ملک کی زبان ہندی نہیں ہو جاتی اقلیتیں اکثریت کے اندر جذب نہیں ہو سکتیں، زبان کا مسئلہ کسقدر اہم ہے، اس کا ذکر ہم آگے چلکر کرینگے۔ اس مسئلہ میں جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ ہوگا وہی جو وہ چاہتے ہیں تو اب ایک قدم اور آگے بڑھے وہی چیز جو میکالے کے وقت میں انگریز کے پیش نظر تھی، وہی ان کے سامنے آئی، انگریز کی سیاست نے انہیں خوب بتا رکھا تھا کہ یاد رکھو جو قوم اپنی تہذیب، کلچر، مذہب کو الگ رکھنے کی متمنی ہو اُسے علانیہ شُدھ کرنے کو نہ اٹھو بلکہ طریقِ تعلیم بدل دو۔ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ خود بخود شُدھ ہو جائے گی۔ چنانچہ اس چیز کے پیشِ نظر مہاتما جی نے آزاد ہندوستان کے لئے ایک تعلیمی اسکیم کے اصول وضع کئے، جسے واردھا اسکیم کہتے ہیں۔ اور ان اصولوں کی فروعات وجزئیات مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی، چونکہ خطرہ تھا کہ مسلمان اعتراض کریں گے کہ ہندوؤں کی وضع کردہ اسکیم اُن پر کیوں نافذ کی جا رہی ہے، اس لئے اس کمیٹی کے صدر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پرنسپل جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب متعین کر دیئے گئے، اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرتب کی جو رسالہ جامعہ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی ہے، یہی وہ رپورٹ ہے جس کے متعلق ہم نے دیکھنا ہے کہ اس طریق تعلیم کا مسلمانوں پر کیا اثر پڑے گا، اور مسلمان مذہبی نقطۂ نظر سے اُسے کس حد تک تسلیم کر سکتے ہیں، اس لئے کہ دنیا کا کوئی معاملہ ہو، ایک مسلمان کے لئے لازمی ہے کہ اسے قرآن کریم کی میزان سے تولے اور جو فیصلہ اس بارگاہ سے ملے، اُسے اپنے لئے قولِ فیصل سمجھے کہ:۔

مَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ۝

جو شخص معاملات کا فیصلہ قرآن کریم کی رو سے نہیں کرتا اُسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں وہ کفار کے زمرہ میں شامل ہے۔

ہمیں اس سے نہ مہاتما گاندھی کی ذاتی مخالفت مقصود ہے، نہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی ہم تو یہ جانتے ہیں کہ موجودہ وقت، سیاست ہند میں ایک بڑا نازک وقت ہے، سابقہ حکومت کا طلسم ٹوٹ رہا ہے، اور اس کی جگہ مقدرات کے نئے نئے ستارے منصۂ شہود پر آرہے ہیں مسلمان سابقہ دورِ حکومت میں جس قدر نقصان اٹھا چکا ہے، اسکا تقاضہ ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ مستقبل کے لئے اس کی قسمتوں کے فیصلے ہو رہے ہیں، یہ سوچے، غور کرے کہ میرے ساتھ اب کیا ہونے والا ہے، یہی وہ جذبہ ہے جس نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم اس تعلیمی اسکیم کو خالص قرآنی نقطۂ نگاہ سے دیکھیں، اور ہمیں جہاں جہاں خطرات پوشیدہ ملیں، انہیں بے نقاب کرکے مسلمان کے سامنے رکھدیں تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ اب کس طرح

مری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

متحدہ قومیت کی تشکیل

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ مستقبل کے ہندوستان میں ہندوؤں کے ارادے کیا ہیں، تحریک آزادی کا مطمح نگاہ کیا ہے۔ تفصیل تو اس کی طول طویل ہے لیکن دو لفظوں میں ہندوؤں کا اس سے مقصود یہ ہے کہ "ہندوستان میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ایک متحدہ قوم پیدا ہو" (پنڈت جواہر لال نہرو۔ مضمون مطبوعہ رسالہ جامعہ بابت اکتوبر ۱۹۳۶ء) یہ متحدہ قوم پیدا کیسے ہوگی۔ اسکے لئے یوپی کے وزیر تعلیم سوامی سمپورانند کی وہ تقریر ملاحظہ فرمائیے جو گزشتہ اپریل میں انہوں نے تعلیم کے موضوع پر فرمائی تھی جس کے دوران میں وہ کہتے ہیں :-

> "ہر وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قایم رکھنے اور اس کو مدارس میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے، وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہونی چاہیئے۔ جب ہندو مسلم تہذیبیں مٹ جائینگی تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ رہ سکیگی" (بحوالہ ٹریبیون و مدینہ)

ایک دفعہ پھر سن لیجئے کہ ہندوؤں کی کوئی مخصوص تہذیب نہیں۔ کوئی مذہب نہیں۔ اس لئے آپ جب کبھی یہ سنیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مخصوص تہذیب کو مٹا دیا جائے تو بلا تامل سمجھ لیجئے کہ اس سے مقصود مسلمانوں کی تہذیب و مذہب کو مٹانا مقصود ہے، ہندو کا لفظ ساتھ اس لئے چسپاں کر دیا جاتا ہے کہ مسلمان بدک نہ جائیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جب ہندوؤں کی کوئی تہذیب

نہیں، کوئی مذہب نہیں تو ان کا مٹے گا کیا۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ہندوؤں کا کوئی مذہب نہیں، کوئی تہذیب نہیں، خود ہندوؤں سے سُنیئے:۔

"ہندومت کے دائرے میں بیحد مختلف اور متضاد خیالات اور رسوم داخل ہیں، اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندومت پر صحیح معنی میں لفظِ مذہب کا اطلاق ہی نہیں ہوتا ممکن ہے کہ ایک شخص کھلم کھلا خدا کا منکر ہو (جیسے قدیم فلسفی چار دک) لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص ہندو نہیں رہا۔ جو لوگ ہندو گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ چاہے کتنی ہی کوشش کریں ہندومت اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں برہمن پیدا ہوا تھا، اور برہمن ہی سمجھا جاتا ہوں چاہے مذہبی اور سماجی رسموں کے متعلق میرے خیالات اور اعمال کچھ ہی ہوں" (پنڈت جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانح عمری ترجمہ اُردو جلد اوّل صفحہ ۲۰۳-۲۰۲)

تو آپ سمجھ گئے کہ ہندوؤں کے پیشِ نظر سب سے مقدم یہ مسئلہ ہے کہ مسلمان کی الگ مخصوص تہذیب کو مٹا دیا جائے تاکہ یہ متحدہ قومیت میں جذب ہو جائے اور اس طرح ایک ایسی قوم کا وجود عمل میں آجائے جو نام کے اعتبار سے تو مسلمان رہے لیکن تہذیب و تمدن۔ خیالات، رجحانات، معاشرت کے لحاظ سے خالص ہندی ہو، وہی نظریہ جو میکالے کے سامنے تھا اور جس کے حصول کے لئے انگریزی طریقِ تعلیم کو اختیار کیا گیا تھا۔ اب اُسی مقصد کے حصول کے لئے ایک نیا طریقِ تعلیم آسمانِ واردھا سے الہام کی شکل میں نازل ہوا ہے جس کی تشریح شیخ الجامعہ نے فرمائی ہے۔ یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میکالے اسکیم میں کشش پیدا کرنے کے لئے روٹی کی جاذبیت چپاں کی گئی تھی، واردھا اسکیم کی بنیاد بھی روٹی پر رکھی گئی ہے شروع سے اخیر تک اس اسکیم میں روٹی اور روٹی ہی کا شور ہے۔ یعنی مقصدِ اولین تو یہ ہے کہ اس طریقِ تعلیم سے مسلمانوں کو ان کے مذہب اور اسلامی فلسفۂ زندگی سے بیگانہ بنا دیا جائے اور اس طرح ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت کا وجود عمل میں آجائے لیکن جو نصاب تجویز ہوا ہے اس میں بظاہر بنیادی چیز صنعت و حرفت کی تعلیم رکھی گئی ہے۔ تاکہ نگاہیں اس حصہ کے فوائد میں اُلجھ کر رہ جائیں اور دوسرے حصہ کے نقصانات کی طرف توجہ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ نصابِ تعلیم میں ساڑھے پانچ گھنٹے میں سے ساڑھے تین گھنٹے کے قریب دستکاری کی تعلیم کے لئے رکھے گئے ہیں۔ اس سے آپ نے اندازہ فرما لیا ہوگا کہ جہانتک مسلمانوں کی ملی خصوصیات مٹانے کا تعلق ہے

ہندو کس طرح انگریز کے قدم بقدم جا رہا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ انگریز نے جو کچھ کیا اس کے نتائج کا نام غلامی تھا، اور ہندو جو کچھ کر رہا ہے اسکا نام حصولِ آزادی رکھا گیا، انگریز جن کے توسط سے یہ کچھ کراتا تھا انکا نام ٹوڈی تھا۔ لیکن ہندو جن کے ہاتھوں سے یہ کچھ کراتا ہے وہ محبِ وطن، اور خادمِ ملت کہلاتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ :۔

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے ۔۔۔ وہی فطرتِ اسد اللہی، وہی مرحبی وہی عنتری

غیر مسلم کی راہ نمائی

یہ طویل تمہید اس لئے ضروری تھی کہ جب تک کسی تحریک کا پس منظر (BACKGROUND) آپ کے سامنے نہ ہو، آپ پر اس کے صحیح اثرات و نتائج واضح نہیں ہو سکتے۔ اسکیم زیر نظر میں سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ وہ مسلمان جو دنیا کی امامت کے لئے پیدا کیا گیا تھا اس کی آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ دنیا کی ہر شاہراہ پر غیر مسلموں کی راہ نمائی کا محتاج ہو چکا ہے، "غلام" مسلمان اپنی ہدایت و راہنمائی کے لئے سمائے شملہ و لنڈن کے "الہامات" کا منتظر رہتا تھا۔ اب "آزاد" مسلمان اپنی ہدایت کے لئے واردھا اور آنند بھون کے دیوی دواروں کی طرف کان لگائے رہتا ہے، انگریز سے اس کے کسی فیصلے یا ہدایت کی دلیل مانگنا آئینِ وفاشعاری کے خلاف تھا کہ اس کے فیصلوں کی صحت کی دلیل اسکا "اقبالِ حکومت" تھا۔ گاندھی جی سے ان کے فیصلوں یا ہدایت کی دلیل مانگنا خلافِ رسمِ پرستاری ہے کہ ان کے ہر فیصلے کی صحت کی دلیل وہ "اندرونی روشنی" ہے جس کی بنا پر انہیں معصوم عن الخطاء۔ مافوق البشر انسان، یعنی اوتار سمجھا جاتا ہے انگریز کی غلامی استبداد کی غلامی تھی۔ گاندھی جی کی غلامی عقیدت کی غلامی ہے۔ مسلمان کے لئے ! نتیجہ دونوں کا وہی ذلت و پستی ہے، جسے جذبۂ مرعوبیت (INFERIORITY COMPLEX) کہتے ہیں، چنانچہ جناب ڈاکٹر صاحب ممدوح اپنی رپورٹ کو مہاتما جی کے روبرو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :۔

> "ہم یہ رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے سچے دل سے امید کرتے ہیں کہ آپ کی رہنمائی میں یہ اسکیم ہمارے ملک میں تعلیم کے ایک اچھے نظام کی بنیاد ثابت ہوگی"۔ (صفحہ ۱۰۸)

تعلیم کے بنیادی اصولوں کی تمہید میں رقمطراز ہیں :۔

"اور میدانوں کی طرح اس میدان میں بھی مہاتما گاندھی کی سوجھ بوجھ اور رہنمائی آڑے وقت میں ہمارے کام آئی۔" (صفحہ ۱۱۱)

اللہ اکبر! وہ مسلمان جس کے متعلق ارشاد تھا کہ کنتم خیر امت اخرجت للناس۔ تم نوع انسانی میں سے بہترین قوم ہو۔ جس کی شان یہ تھی کہ وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس۔ اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بہترین قوم بنا دیا تاکہ تمام نوع انسانی کے اعمال کے نگراں رہو۔ جس کا مرتبہ یہ تھا کہ وانتم الاعلون۔ تم ہی دنیا میں سب سے بلند و بالاتر ہو۔ جن کے موسس اعلیٰ کے متعلق ارشاد تھا کہ انی جاعلک للناس اماماً۔ ہم نے تمہیں انسانوں کا امام، پیشرو، لیڈر بنایا ہے۔ جن کو حکم تھا کہ "دیکھنا غیر مسلموں کے خیالات کی اتباع نہ کرنا وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے"! ان مسلمانوں کی آج حالت یہ ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے مسئلہ کے حل کے لئے ایسے لوگوں کے دست نگر ہیں جو روحِ اسلام سے یقیناً بیگانہ ہیں جس مومن کی یہ شان تھی کہ:۔

مومنے بالائے ہر بالاترے غیرتِ او بر نتابد ہمسرے

وہ مومن ایسے انسانوں سے ہدایت کا طالب ہے جن کی عقل آج تک انہیں اتنا بھی نہیں بتا سکی کہ ایک مٹی کے بُت کے سامنے ماتھا ٹیکنا کوئی شرفِ انسانیت نہیں ہے، یہ پستیوں کی حد نہیں تو اور کیا ہے۔

اصل رپورٹ

رپورٹ زیرِ نظر کے مطابق یہ نیا طریق تعلیم سات برس سے چودہ برس کے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے لازمی ہوگا (ص ۱۳) یعنی کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ جب اس کی لڑکی یا لڑکا سات برس کا ہو جائے تو اُسے اس اسکول میں نہ بھیجے جس میں یہ طریقِ تعلیم رائج ہو۔ یہ تعلیم جبری ہوگی۔ انگریز نے اپنے طریق تعلیم کو جبری نہیں بنایا تھا۔ یہ کمی اب سوراج کے زمانے میں پوری ہوگی۔

اب سب سے پہلے اس نصاب کو دیکھ لیجئے جو اس اسکیم کی روح سے مرتب کیا گیا ہے۔

۱۔ بنیادی دستکاری .... ۳ گھنٹہ۔ ۲۰ منٹ۔

۲۔ گانا۔ ڈرائنگ اور حساب .... ۴۰ منٹ

۳ - مادری زبان .... ۴۰ منٹ
۴ - سماج کا علم اور عام سائنس .... ۳۰ منٹ
۵ - کسرت ... . ۱۰ منٹ
۶ - بیچ کا خالی وقت .... ۱۰ منٹ

میزان - ۵ گھنٹے - ۳۰ منٹ (صفحہ ۱۳۱-۱۳۲)

آپ کو یہ نصاب بڑا معصوم سا نظر آئیگا - اس میں بظاہر کوئی چیز ایسی نہیں جس سے مسلمانوں کو خواہ مخواہ خطرات کا اندیشہ ہو لیکن یہ خطرات اس نصاب کی تفصیل کے اندر ہیں، آپ نے یہ تو دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اس نصاب میں مذہب کا کہیں نام نہیں - خود گاندھی جی اور اس اسکیم کے مرتب کرنے والے یہی اعلان کر رہے ہیں کہ ہم نے مذہب کو اس اسکیم سے بالکل الگ رکھا ہے، لیکن جب ہم اس نصاب کی تفصیل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ مذہب کا عنوان تو اس میں کہیں نہیں - لیکن مسلمانوں کا مذہب اور ان کی تہذیب مٹانے کے لئے اس میں سب کچھ ہے - مگر وہ کچھ اس انداز سے رکھا گیا ہے کہ تاوقتیکہ گہری نظر سے نہ دیکھا جائے، اس کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں لگ سکتا - اس کا تجزیہ کرنے کے لئے اس اسکیم کو چار اہم عنوانات کے ماتحت مختلف ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے -

(اول) مذہب کا مسئلہ جو بمنزلہ روح ہے -
(دوم) فلسفۂ زندگی کا مسئلہ جو تہذیب اسلامی کی اصل ہے -
(سوم) زبان کا مسئلہ جس پر کسی قوم کے کلچر (ثقافت) کا انحصار ہے -
(چہارم) معاشرتی زندگی - جو کسی قوم کے رجحانات قلبی و ذہنی کی آئینہ دار ہوتی ہے -

ان مسائل پر مختلف ابواب میں آئندہ صفحات پر بحث کی گئی ہے مسئلہ اول و دوم چونکہ مقابلتاً زیادہ اہم اور پیچیدہ ہیں اس لئے ان پر نسبتاً شرح و بسط سے تبصرہ کیا جائے گا شق سوم ایک الگ مضمون کی محتاج ہے[1] اور شق چہارم میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہ ہوگی وما توفیقی الا باللہ

باب اول

مذہب کا مسئلہ

نصاب میں جو عنوان "سماج کا علم" ہے - اس کی تفصیل رپورٹ کے صفحات ۱۱۸-۱۱۹ پر دی ہوئی ہے

[1] یہ مضمون "مسئلہ زبان" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہو گا [illegible]

مذہب کے متعلق اس میں لکھا ہے۔

"دنیا کے مذہبوں کے اصول تہا کر یہ ثابت کیا جائے کہ خاص خاص باتوں میں سب مذہب ایک ہیں" (ص۱۱۹)

اس اجمال کی تفصیل کے لئے وہ بیان ملاحظہ فرمائیے جو مہاتما گاندھی نے اخبارات میں شائع کیا ہے، یہ بیان ایک وفد کے سوالات کے جواب میں شائع ہوا ہے جو یہ دریافت کرنے کے لئے مہاتما گاندھی کے پاس گیا تھا کہ وار دھا اسکیم میں مذہب کی کیا پوزیشن ہوگی۔ آپ نے فرمایا:۔

"ہم نے واردھا اسکیم میں سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا ہے، کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ جس طرح مذہب کی آجکل تعلیم دی جاتی ہے اور اُن پر عمل کیا جاتا ہے، وہ بجائے اتحاد کے اختلافات پیدا کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس میرا یہ خیال ہے کہ سچائیاں، جو ہر ایک مذہب میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں بچوں کو پڑھائی جاسکتی ہیں، اور ضرور پڑھائی چاہئیں، یہ سچائیاں الفاظ یا کتابوں کے ذریعہ سے پڑھائی نہیں جاسکتیں۔ بچے ان سچائیوں کو اپنے استادوں کی روزانہ زندگی سے سیکھ سکتے ہیں، اگر وہ استاد خود مذہب کی سچائیوں کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہو۔ صرف اسی صورت میں بچے یہ سیکھ سکتے ہیں کہ واقعی سچائیاں اور عدل و انصاف تمام مذاہب کے بنیادی اصول ہیں"

جب یہ سوال کیا گیا کہ سات سے چودہ برس کی عمر کے بچے تمام مذاہب کی یکساں عزت کرنا سیکھ سکینگے، تو مہاتما جی نے فرمایا:۔

"ہاں میرا خیال ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت کہ تمام مذاہب اہم اصولی باتوں میں بالکل ایک جیسے ہیں (بچوں کے دل میں یہ بات پیدا کر دینگے) کہ وہ دوسروں کے مذہب کی بھی ایسی ہی عزت کریں جیسی اپنے مذہب کی کرتے ہیں۔ یہ بڑی سادہ سی سچائی ہے اور سات برس کے بچے اسے آسانی سے سیکھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں لیکن سب سے مقدم یہ ہے کہ اُستاد خود ایسا ہی عقیدہ رکھتا ہو" (نیشنل کال مورخہ ۸ ر جون ۱۹۳۸ء)

بظاہر یہ اصول آپ کو بڑی وسعتِ نظر، کشادہ ظرفی پر مبنی نظر آئیگا لیکن یہی وہ خطرناک گھاٹی ہے جہاں مسلمانوں کا مذہب تباہ کیا جائیگا۔ یاد رکھئے، مہاتما گاندھی اپنے الفاظ کے انتخاب میں بڑے ہوشیار واقع ہوئے ہیں، ان کی سطح ساکت و صامت دریا کی روانیوں کی طرح ہوتی ہے۔ لیکن اُن کے نیچے بڑے بڑے خطرناک اژدھے چھپے ہوتے ہیں، سطح بین نگاہیں ان کی نظر فریب کشش سے دھوکا

کھاجاتی ہیں، لیکن جو سطح سے ذرا نیچے اُتر جائیں، اُنہیں وہ خطرات بے نقاب نظر آجاتے ہیں وہ عظیم الشان خطرہ جو ان الفاظ کی معصومیت کے اندر نقاب پوش ہے، اُسے بے نقاب کرنے کے لئے ہمیں ذرا تفصیل سے کام لینا ہوگا۔

مذہب کی تشریح

مذہب میں ایک تو وہ مہمات اصول ہوتے ہیں جن پر اعتقاد کا دارومدار ہوتا ہے۔ ان اصولوں کو ایمانیات کہا جاتا ہے۔ دوسری چیز ان اصولوں کے تفصیلی قوانین، عبادات، مناسک، شعائر یعنی ظواہر ہوتے ہیں جنہیں شریعت کہا جاتا ہے، ایمانیات یعنی اصولوں کا تعلق قلب و دماغ سے، سمجھنے سمجھانے سے ہوتا ہے، اس لئے یہ غیر محسوس ہوتے ہیں لیکن مذہب کی بنیاد انہی پر ہوتی ہے؛ ظواہر کا تعلق اعمال حیات سے ہوتا ہے۔ اس لئے وہ محسوس ہوتے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ دو مختلف مذاہب مثلاً اسلام اور ہندو مت میں شرح و منہاج کا فرق تو محسوس فرق ہے، کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے طریق نماز اور ہندوؤں کی پوجا پاٹ میں کس قدر اختلاف ہے، ان محسوس و مشہود اختلافات کی موجودگی میں کسی کے سامنے یہ کہنا کہ اسلام اور ہندو مت دونوں یکساں مذہب ہیں، اپنی ہنسی اُڑانا ہے، اس لئے مہاتما گاندھی نے اس چیز کو چھوا نہیں البتہ اس کے متعلق یہ بات ذہن نشین کرادی کہ یہ محسوس اختلافات کوئی اہم باتیں نہیں ہیں۔ یہ ثانوی (Secondary) چیزیں ہیں، اصل مذہب تو وہ اصول ہیں جن کو وہ عالمگیر سچائی کہتے ہیں، یہ چونکہ غیر محسوس ہیں ان کا اختلاف آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا یہ اعلان کر دیا کہ جہاں تک مذہب کے اصولوں کا تعلق ہے اسلام اور ہندو مت بالکل یکساں مذہب ہیں، دونوں میں اصولی سچائیاں ایک جیسی ہیں، اسلام کو ہندو مت پر کوئی برتری اور تفوق حاصل نہیں، یہ دعویٰ بڑا آسان ہے اس لئے کہ ایمانیات کا فرق، اصولی سچائیوں کا اختلاف محسوس شے نہیں، مثلاً مسلمان بھی خدا پرست ہے اور ایک ہندو کو بھی دعوے ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے، اس لئے اس اصولی مسئلہ میں دونوں یکساں ہیں، سطح بین نگاہیں فوراً اس دھوکے کا شکار ہو جاتی ہیں، اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے کہ ہندو کی خدا پرستی اور مسلمان کی خدا پرستی میں کیا فرق ہے دونوں مذاہب کی مزعومہ یا حقیقی آسمانی کتابوں میں سے خدا کے تصور کو واضح طور پر سمجھانا پڑیگا یہ ذرا مشکل مرحلہ ہے اور ہر شخص کے ذہن میں یہ بنیادی فرق راہ چلتے نہیں بٹھایا سکیگا۔ لہٰذا یہ وہ مقام ہے جہاں نہایت آسانی سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے، عیسائیت کو اسلام

سے ہمیشہ یہی خطرہ رہا کہ مہاتِ اصول میں جب دونوں کا باہمی موازنہ ہوگا تو عسائیت ایک سیکنڈ کے لئے بھی سامنے ٹھہر نہ سکے گی، اس لئے انہوں نے ہمیشہ حقایق کو چھوڑ کر خالی جذبات کی راہ سے اسلام کا مقابلہ کرنا چاہا، ہندوؤں کو معلوم ہے کہ ایمانیات یعنی اصول مذہب میں جب کبھی ہندومت اسلام کے سامنے آیا تو ہندومت شیشہ کی طرح چور چور ہو جائیگا، اس لئے ہندوؤں نے اپنی اس بُنیادی کمزوری کو چھپانے کے لئے مدّت سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ یہ مشہور کیا جائے کہ بنیادی سچائیوں کے لحاظ سے تمام مذاہب ایک جیسے ہیں، کسی میں کچھ فرق نہیں کسی کو دوسرے پر بڑائی حاصل نہیں فرق صرف ظواہر (یعنی شریعت) میں ہے، اور شریعت کچھ ایسی اہم شئے نہیں، بلکہ مذہب کے جتنے جھگڑے ہیں وہ شریعت کے اختلافات کی وجہ سے ہی ہیں، یعنی محسوس اختلافات کو فتنہ وفساد کا موجب قرار دیدیا جائے اور غیر محسوس بنیادی اصولوں کو ہندومت اور اسلام میں قدر مشترک Common Factor.) قرار دیدیا جائے۔ یہ ایک بڑی گہری سازش ہے جو مدّت سے اسلام کے خلاف آتش خاموش کی طرح پھیلائی جارہی ہے، اس کی ابتدا اکبر کے دینِ الٰہی سے ہولی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مختلف مذاہب عالمگیر سچائیوں کے لحاظ سے سب ایک جیسے ہیں۔ یہ وہ فتنہ عظیم تھا جس کو حضرت امام سرہندیؒ نے مسلسل جہاد سے کچلا، اور مختلف بزرگانِ دینؒ نے بڑی بڑی قربانیوں سے اس سیلاب بلا انگیز کو آگے بڑھنے سے روکا، یہ وہی دینِ الٰہی ہے جس کے متعلق بہار کے مسلمان کانگرسی وزیر، ڈاکٹر سید محمود نے لکھا ہے کہ مستقبل کے آزاد ہندوستان کی متحدہ قومیت کا یہی مذہب ہونا چاہیئے (ملاحظہ ہو سوراجی اسلام مطبوعہ طلوع اسلام بابتہ ماہ جون ۱۹۳۸ء)

جب دینِ الٰہی کی اس سازش نے وہاں شکست کھائی تو اس نے تصوف کے راستے سر نکالا، اور یہ مشہور کیا کہ مسلمانوں کا تصوف اور ہندوؤں کی ویدانت ایک ہی ہے اور چونکہ مغز دین یہی حقیقت ہے اس لئے یہ دونوں مذہب ایک ہی ہیں، چنانچہ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ کئی ہندو مسلمان فقیروں کے معتقد بن بیٹھتے ہیں، یہی وہ نظریہ ہے جس کے ماتحت مشاہیر اسلام میں سے حضراتِ علماء، صلحاء، مجاہدین ملت کے مقابلہ میں صوفیائے کرام کو ترجیح دی جاتی ہے لیکن تصوف پھر بھی گوشوں اور زاویوں میں چھپنے کا مسلک تھا، اس لئے دنیائے معاشرت میں یہی نظریہ "سربھو سماج" کی شکل میں ابھارا گیا، جو آج عملاً عام طور پر ہر قوم پرست مسلمان کا مذہب بن رہا ہے، جب زمین یوں ہموار ہوگئی تو گاندھی جی ایک قدم اور آگے بڑھے اور اپنی اسکیم میں مذہب کے متعلق یہی نظریہ تعلیم کا جزو لازم قرار دیدیا، آپ سمجھے بھی کہ اس سے نتیجہ کیا نکلا! ہندومت جو اسلام کے سامنے ایک سیکنڈ کے لئے بھی ٹھہر نہ سکتا تھا جسے

مہذب محفلوں میں پیش کرتے ہوئے خود ہندو گھبراتے اور شرماتے تھے وہ ایک ہی جست میں ان پستیوں سے ابھر کر اسلام کے ہمدوش کھڑا ہوگیا، اور اسلام گاندھی جی کی معصوم کمند کے ایک جھٹکے میں عرش کی بلندیوں سے تحت الثریٰ کی پستیوں میں آگرا۔ آپ شاید یہ کہدیں کہ واہ صاحب! ایک مہاتما گاندھی کے ایسا کہہ دینے سے کیا ہوتا ہے جب کہ خود کانگرس کے اندر اسلام کی برتری اور فوقیت کو ثابت کرنے والی اتنی اتنی بڑی ہستیاں موجود ہیں۔ لیکن جب آپ گاندھی جی کی نگہ دور رس کی حقیقت سے واقف ہو جائیں گے اور کانگرس کے محافظین اسلام آپ کے سامنے بے نقاب آئیں گے تو اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام کی فوقیت اور برتری ثابت کرنے والے کہاں ہیں! مہاتما گاندھی نے جو بات دس سال بعد زبان پر لانی ہوتی ہے، اس کی بنیاد وہ آج رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ ایسی کچی گولیاں بھی کھیلے ہوئے نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کے جال وہ کھلے بندوں اپنے ہاتھوں سے بچھاتے پھریں، انہوں نے اپنے اُستادانِ سیاست سے یہ سبق سیکھ رکھا ہے کہ حرم کعبہ کے اندر ترکوں کے سینے کو گولیوں کا نشانہ بنانے کے لئے کسی غیر کو نہ بھیجو۔ بلکہ خود وہیں سے کوئی "شریف حسین" تیار کرو۔ لہذا گاندھی جی بھی مسلمانوں کی ہلاکت کے لئے مسلمانوں ہی کو تیار کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد سنہ ۱۹۱۲ء سے ایک تفسیر قرآن لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو ایک عرصہ تک اس تفسیر کا انتظار رہا لیکن وہ شایع نہ ہوسکی۔ حتیٰ کہ مولانا نے تحریر کا شغلہ کم و بیش چھوڑ دیا، اور اپنی توجہات دوسری طرف منعطف کرلیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں جب کہ وہ پکے نیشنلسٹ ہوچکے تھے۔ اُن کی تفسیر ترجمان القرآن کی پہلی جلد شایع ہوئی اس تمام تفسیر کو تو کس طرح آپ کے سامنے لایا جائے۔ البتہ انہوں نے تفسیر کے مقدمہ (یعنی تفسیر سورۂ فاتحہ) کے ضمن میں ملخصاً بیان کیا ہے کہ اسلام کیا ہے یعنی انہوں نے اپنی تمام تفسیر کو Sum up کیا ہے، یہ (Summary) قابلِ ملاحظہ ہے۔ دینِ الٰہی کو سامنے رکھئے، برہمو سماج کے عقائد پر نگاہ ڈالئے پھر گاندھی جی کے نظریۂ مذہب کو سامنے رکھئے۔ اور اس کے بعد مولانا آزاد کی دین کی تشریح پڑھئے۔ ساری حقیقت آپ کے سامنے روشن ہو جائے گی۔ یہ بتانے کے بعد کہ مختلف مذہبی گروہوں نے دین کے سمجھنے میں کیا کیا غلطیاں کیں۔ اسلام کے متعلق ارشاد ہے۔

"لیکن قرآن کریم نے نوعِ انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا۔

(الف) اس نے نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے۔ بلکہ صاف صاف کہدیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں، اس نے کہا کہ دین خدا کی بخشش ہے۔ اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔

(ب) اس نے کہا، خدا کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے اور سب کے لئے ہے، پس پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دینِ الٰہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں، اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے۔

(د) اس نے تبلایا کہ ایک چیز دین ہے، ایک شرع و منہاج ہے، دین ایک ہی ہے، اور ایک ہی طرح سب کو دیا گیا ہے، البتہ شرع و منہاج میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ناگزیر تھا، کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی، اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو ویسے ہی احکام و اعمال اُس کے لئے اختیار کئے جائیں، پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جا سکتے۔ تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے محض شرع و منہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔

(لا) اس نے تبلایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں اور ان کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں۔ یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں، ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے۔ وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ جو شخص بھی ایمان اور نیک عملی کی زندگی اختیار کریگا اُس کے لئے نجات ہے، خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

(و) اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں، وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں، لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سرِ نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا اور انہوں نے مجھے قبول کر لیا، تمام مذاہب کی یہی مشترکہ اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے۔" (ترجمان القرآن جلد اوّل صفحہ ۱۶۳-۱۶۲)

حقیقی اسلام

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے، اور تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے جو خدا کا پیغام ازلی لوگوں تک پہنچاتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا یہ بھی دعویٰ ہے۔ اور کس قدر حقیقت پر مبنی دعویٰ۔ کہ وہ سچائیاں۔ وہ پیغام ازلی۔ وہ دینِ خداوندی۔ دنیا میں کسی قوم کے پاس باقی نہ رہا، یا تو وہ حوادثِ ارضی و سماوی کی نذر ہو گیا یا انسانی ہاتھوں نے اس میں الحاق و تحریف کر دی، حق کو باطل کے ساتھ ملا دیا۔ دین کی صورت مسخ ہو گئی

اور اس ضرورت کی بنا پر کہ دنیا میں کہیں خدا کی سچائیاں باقی نہ رہی تھیں۔ ظہر الفساد فی البر والبحر (خشکی اور تری میں فساد ہی فساد رونما ہو چکا تھا) خدا نے نبی اکرمؐ کی وساطت سے اپنا پیغام ازلی قرآن کریم کی شکل میں نازل فرمایا جو تمام سابقہ سچائیوں کا مہیمن ہے۔ یعنی جتنی سچائیاں خدا کی طرف سے آتی رہی تھیں پر لوگوں نے انہیں محفوظ نہ رکھا تھا، وہ سب اس کے اندر ہیں۔ اور ان کے علاوہ وہ تمام اصول زندگی جن کی قیامت تک انسانوں کو ضرورت پڑے گی۔ وہ بھی اس کے اندر ہیں۔ گویا یہ پیغام خداوندی کا مکمل اور آخری ضابطہ ہے۔ الدین اور الاسلام اس کے اندر آکر مکمل بھی ہو لیا ہے۔ (الیوم اکملت لکم دینکم) اور محفوظ بھی (نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون ۵) اس کی حفاظت خود خدا کے ذمہ ہے۔ اس ضابطہ کے اجمال کی عملی تفصیل محمد الرسول اللہ کا اسوۂ حسنہ ہے اور یہ مہمات اصول اور ان کی عملی تفصیل مل کر خدا کا سچا مذہب الاسلام بنتے ہیں، لہٰذا آج خدا کے نزدیک جو دین حقیقی ہے جو سچا مذہب ہے، جو سچی شریعت ہے وہ صرف وہی ہے جو قرآن کریم کے اندر ہے، جو شریعت محمدیہ کہلاتی ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام) اب سچائیاں اور کہیں نہیں۔ اگر سچائیاں کہیں اور بھی ہوتیں تو قرآن کریم نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ تو نازل ہی اس لئے ہوا تھا کہ سچائیوں کا وجود دنیا سے گم ہو چکا تھا۔ لہٰذا آج دنیا کا کوئی مذہب، نہ اصول میں، نہ شریعت میں اس کے برابر ہو سکتا ہے نہ اس کا بدل (Substitute) اور آج الدین اور اسلام کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن پر ایمان رکھا جائے اور شریعت محمدیہ کی اتباع کی جائے، جو ایسا نہیں کرتا نجات و سعادت کا قطعاً مستحق نہیں ہے۔ یہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے، اگر کسی کو اس میں ذرا بھی شک ہو تو وہ ہمیں اطلاع دے ہم قرآن کریم کی نصوص صریحہ سے ایسے واضح طور پر ثابت کر کے دکھا دینگے اس حقیقت کو سامنے رکھئے۔ اور پھر مولانا آزاد کی تفسیر کے مندرجہ صدر ٹکڑوں پر نگاہ ڈالئے، اور اُن پر تنقید بھی دیکھئے۔ جو قرآن کی رو سے ان پر وارد ہوتی ہے۔

(الف) وہ فرماتے ہیں:- ہر مذہب میں سچائی ہے، تمام مذہب سچے ہیں۔
لیکن قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ ہر مذہب میں سچائی تھی، تمام مذاہب سچے تھے لیکن قرآن کریم کے نزول کے وقت وہ سچائیاں گم ہو چکی تھیں۔
لہٰذا آج سچائیاں صرف قرآن کے اندر ہیں دنیا میں اور کہیں نہیں ہیں۔
(ب) مولانا فرماتے ہیں کہ پیروان مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی گروہ بندیاں بنا لیں ہیں۔
لیکن قرآن کریم مسلمانوں کو ایک الگ گروہ قرار دیتا ہے، انہیں حزب اللہ (خدا

کا گروہ) کہتا ہے[1]۔ انہیں خیرِ اُمت اور اُمتِ وسطیٰ کے القاب سے یاد کرتا ہے (یعنی بہترین جماعت، بہترین قوم) لہٰذا مسلمانوں کا الگ گروہ قایم رہنا ان کی گمراہی نہیں، بلکہ ان کے خدا کا حکم ہے۔

(د) یہ درست ہے کہ دین ایک چیز ہے اور شرع و منہاج دوسری چیز، لیکن یہ غلط ہے کہ دین (سب جگہ) ایک ہی ہے اصل یہ ہے کہ دین ایک ہی طرح پر سب کو دیا گیا تھا۔ لیکن لوگوں نے اس کو بدل ڈالا۔ اور اب وہ صرف قرآنِ کریم کے اندر ہے۔

پھر یہ بھی درست نہیں کہ شرع و منہاج کا اختلاف یونہی معمولی بات ہے۔ شرع و منہاج وہ شے ہے جس کی خاطر رسولؐ پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ بحکم خداوندی اس کی اتباع کرنی پڑتی ہے۔ اور چونکہ شرع عملی تفصیل ہوتی ہے اصول دین کی۔ اس لئے جب اسوقت دین وہی دین ہے جو رسول اللہ صلعم لائے تو شریعت بھی وہی شریعت ہے جو ان کی وساطت سے ملی۔ اور مرکز ملت کے ذریعہ سے آگے چلی۔ نہ دین کہیں اور سے مل سکتا ہے نہ شریعت ہی غیر اہم شے ہے۔

(ھ) جیسا کہ (ج) میں بتایا جا چکا ہے۔ یہ قطعاً دھوکہ ہے کہ مسلمانوں کی "گروہ بندی" ان کی اپنی بنائی ہوئی ہے، یہ خدا ہی کی بنائی ہوئی ہے، لہٰذا نجات و سعادت کے لئے متبعین محمد الرسولؐ اللہ کی جماعت میں شامل ہونا از بس ناگزیر[2] ہے، پھر یہ بھی غلط ہے کہ "ظواہر و رسوم" کو نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں۔ ظواہر و رسوم (مثلاً عبادت کے طریقے حرام و حلال کا فرق) شریعت کہلاتے ہیں اور شریعت دین کی تفسیر ہی کا نام ہے۔ "خدا پرستی اور نیک عملی" کے الفاظ بالکل مہمل ہیں۔ اگر اُن کی تشریح قرآن کریم کی رُو سے نہ کی جائے۔ قرآنِ کریم کی رُو سے "خدا پرستی" وہی خدا پرستی ہو سکتی ہے جو قرآنِ کریم کے متعین کردہ ایمان کے مطابق ہو۔ اور اعمال وہی نیک قرار پا سکتے ہیں جن کو اس نے نیک اعمال کہا ہو۔

(و) یہ قطعاً غلط ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ تمام پیروان مذاہب سچے ہیں۔ وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ اپنے اپنے وقت میں مذاہب سب سچے تھے۔ لہٰذا پیروان مذاہب

---

[1] "خدا تعالیٰ نے مؤمنین مخلصین کو حزب اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے"۔ (مولانا آزاد الہلال ۲ ۱۴ ۲۲)
[2] کونوا مع الصادقین (سچوں کے ساتھ رہو)

اگر آج "فراموش کردہ سچائی" کو از سر نو اختیار کرنا چاہیں تو سچائی چونکہ دنیا میں اور کہیں نہیں اس لئے انہیں قرآن کریم پر ایمان لانا ہوگا۔ شریعت محمدیہ کی اتباع کرنی ہوگی اور اس طرح مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہونا پڑیگا۔ یہ ہے آج "الدین" اور "الاسلام"۔ یہ ہم نہیں کہتے خود مولانا آزاد بھی اپنے دور قومیت پرستی سے پیشتر یہی کہا کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش کریگا تو وہ دین قبول نہ کیا جائیگا۔ اس آیت کا ترجمہ ۱۹۱۳ء میں مولانا یوں کرتے تھے۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین

اب جو انسان احکام اسلامی کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا تو یقین کرو اسکی تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی اور اُس کے تمام کاموں کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہوگا (الہلال)[۲۴]

لیکن اسی آیت کا ترجمہ دور قومیت پرستی کے بعد یوں کیا گیا ہے :-

"اور جو کوئی اسلام کے سوا (جو عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ ہے) کوئی دوسرا دین چاہے گا .... (ترجمان القرآن جلد اوّل صفحہ ۱۵۸)

اور اس "عالمگیر سچائی" کی تشریح آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں "الاسلام" نام تھا احکام اسلامی کا اور ۱۹۳۱ء میں وہ نام ہوگیا اس عالمگیر سچائی کا جو ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے حالات کے بدلنے سے آیات کے ترجمے تک بدل گئے۔

اس تفسیر کا اثر

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہی چیز جو کبھی دین الٰہی کی شکل میں سامنے آئی تھی۔ پھر وہ برہمو سماج کے رنگ میں نمودار ہوئی اور جسے اب مہاتما گاندھی تعلیمی نصاب میں پیش کر رہے ہیں لفظاً لفظاً وہی ہے جو مولانا آزاد نے اپنے دور قومیت پرستی کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے یعنی تمام مذاہب اپنی بنیادی سچائیوں کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ فرق شریعتوں میں ہے، اور شریعتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں اس بات کے اعلان کے لئے مہاتما جی نے اتنا عرصہ پیشتر سے زمین ہموار کرنا شروع کردی تھی، چنانچہ ۱۹۳۱ء میں جب یہ تفسیر شائع ہوئی ہے تو مہاتما گاندھی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں کہا کہ مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہوسکتا کہ وہ نجات و سعادت اپنے پیروان تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں اپنے اندر ہی

بتلائیے لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں سے نہ ملتی تھی، اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں سچائیوں کا مدعی ہے۔ لہٰذا ہم نے اس تفسیر کے مقدمہ کا (ہندی) میں ترجمہ کرکے عام شایع کرایا ہے، اس کے بعد پانچ چھ برس تک مختلف قومیت پرست مسلمانوں کی طرف سے اسی اسلام کا اعلان ہوتا رہا۔ ان کی طرف سے مضامین شایع ہوتے رہے تقریریں ہوتی رہیں جب یوں میدان صاف ہو گیا تو اب مہاتما جی نے اس نظریہ کو اپنی تعلیمی اسکیم میں شامل کر دیا۔ اگر اتنی زمین ہموار کئے بغیر پہلے ہی یہ نظریہ مہاتما جی کی طرف سے پیش ہوتا تو مسلمان بدک جاتے لیکن مہاتما جی نے نہایت حسنِ تدبر سے، اپنی مخصوص شاطرانہ چالوں سے مسلمانوں کے ذہن کو اس کے قبول کرنے کے لئے تیار کرایا۔ اور اس کے بعد اس کا اعلان کیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ آج خود مسلمان اس اسکیم پر احسنت و مرحبا کے نعرے لگا رہے ہیں۔ آپ کے قوم پرست علماء حضرات جو آمین بلند و آہستہ کہنے پر ایک دوسرے کو کافر بناتے رہتے ہیں، جن کے نزدیک دین کی جزئیات کی اتنی اہمیت ہے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والے کو نجات و سعادت سے محروم قرار دیتے ہیں، وہ آج اسلام کی اس جدید تعریف (Definition) کی رو سے اُس شخص کو جسے کل تک وہ ہی "کافر و مشرک" کہا کرتے تھے۔ اسی طرح نجات و سعادت کا مستحق قرار دیتے ہیں جس طرح مسلمان کو۔ بلکہ مسلمان کو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی "مذہبی گروہ بندی" الگ قایم رکھنا چاہتا ہے۔ اور ہندو ان کے نزدیک صحیح اسلام کا پیرو ہے جو ان گروہ بندیوں کو توڑ کر ایک متحدہ قومیت بنانا چاہتا ہے۔ ذرا خدا کے لئے پوچھئے کسی عالم سے، پوچھئے کسی فقیہہ سے، پوچھئے کسی مولانا سے پوچھئے کسی امیرِ شریعت سے۔ کہ کیا فی الواقع اسلام وہی ہے جو مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں پیش کیا ہے؟ کیا ہندو مت اور اسلام واقعی اپنی بنیادی سچائیوں کی رُو سے بالکل یکساں ہیں؟ کیا مذاہب کے "ظواہر و رسوم" فی الحقیقت بیکار و مہمل ہیں کہ بچوں کو جن کی تعلیم دینا انہیں اصل دین سے بیگانہ کر دیتا ہے؟ کیا واقعی شریعتِ محمدیہ کو نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں؟ پوچھئے ان سے کہ آج اُن کی اس حمیتِ دینی کو کیا ہوا جو شریعت سے ذرا اختلاف کو برداشت نہ کر سکتی تھی؟ دریافت کیجئے اُن سے کہ ان کے فتاویٰ کی اُن مُہروں کو کون چرا کر لے گیا جو "ظواہر و رسوم" کے اختلافات کے فیصلوں کے لئے ہر وقت سجدہ ریز رہا کرتی تھیں؟ کس نے ان کے قلموں کی سیاہیاں خشک کر دیں؟ کیا چیز آج ان کے گلوگیر ہو گئی کہ یہ سب کچھ دیکھتے ہیں لیکن نہ کچھ لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ آپ ایک دفعہ یہ تسلیم کر لیجئے کہ سچائیاں جو اصل دین ہیں ہر مذہب میں یکساں ہیں اور شرائع جن میں اختلاف ہے وہ کچھ اہمیت نہیں رکھتیں، پھر اپنے آپ سے سوال کیجئے کہ یہ جو آپ کے علماء حضرات منبروں اور اسٹیجوں پر اسلام کی خصوصیات پر خطبے اور لکچر دیتے ہیں اس کے کیا معنی رہ جاتے ہیں، کیا یہ سب کچھ بقول مہاتما گاندھی اس لئے نہیں کیا جاتا کہ آپ محض سیاسی

اغراض کی خاطر غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر پوچھئے کہ جب آپ کے بچوں کو کامل سات برس تک جبری طور پر اس عقیدہ کی تعلیم دی جائے گی تو اُن کے نزدیک اسلام میں کون سی کشش باقی رہ جائے گی جس کی خاطر وہ اس سے منسلک رہیں وہ بچے جب ہندوؤں کو بھی اسی قسم کی سچائیوں کا حامل سمجھے گا جس قسم کی سچائیاں قرآن کریم میں ہیں، تو وہ پھر ہندو قوم میں شامل کیوں نہ ہو جائیگا جس کے پاس مسلمانوں سے کہیں زیادہ دھن دولت ہوگا۔ لاکھوں بھنگی اور چمار (اچھوت) عیسائیوں کی مکتی فوج میں اس لئے شامل ہو گئے کہ (الف) ان کے اپنے مذہب میں انہیں کوئی تفوق نظر نہیں آتا تھا اور (ب) جس مذہب کی انہیں دعوت دی جاتی تھی وہ حاکم قوم کا مذہب تھا۔ کیا یہی چیز مسلمان بچوں کے ساتھ بھی نہ ہوگی۔ سوامی شردھانند کی تحریک شدھی تو یونہی بدنام ہوگئی کہ وہ کھلے بندوں نام لے کر شدھی ہوتی تھی، مہاتما جی اُس وقت ہنستے ہونگے کہ کیا دور جہالت کا سا طریق عمل اختیار کیا گیا ہے مسلمانوں کو شُدھ کرنے کا طریقہ اس سے جداگانہ ہے، انہوں نے اُسی زمانے سے خاموش شدھی کی اسکیم؛ کا خاکہ تیار کر لیا جس کا سنگ بنیاد مولانا آزاد کے مقدس ہاتھوں نے رکھا اور اب اس پر عمارت کھڑی کی جا رہی ہے

کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم نجی کے طور پر دلائیں لیکن ذرا اس پر بھی غور فرمائیے کہ اسکول میں تو بچوں کو پڑھایا جائے گا کہ تمام مذاہب اصولی طور پر یکساں ہیں اور گھر پر انہیں پڑھایا جائے گا کہ اسلام دیگر مذاہب سے بلند و بالاتر مذہب ہے بلکہ خدا کا سچا مذہب ہے ہی یہی۔ یہی نہیں بلکہ پھر اسے گھر پر شریعت کی تعلیم بھی دی جائے گی، اور یہ وہ تعلیم ہوگی جس کی نسبت مہاتما جی نے فرمایا ہے کہ تمام لڑائی جھگڑوں کا باعث ہی یہ تعلیم ہے۔ تو یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ کیسے چلیں گی۔ یہ بھی واضح رہے کہ اسکولوں میں مذہبی تعلیم کتابوں کے ذریعہ سے نہیں ہوگی اس لئے کہ مہاتما جی کو خوب علم ہے کہ وید کسی طرح قرآن کے سامنے لائے ہی نہیں جا سکتے تعلیم ہوگی استادوں کی زندگی کے ذریعہ سے۔ اور ظاہر ہے کہ کانگریسی حکومت کے مقرر کردہ اُستاد کوئی ڈاکٹر اشرف، کوئی جوش ہی ہونگے۔ جہاں وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود جیسے ہونگے جو مسلمانوں کا سا الگ نام رکھنا بھی ہندی قومیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہاں کے استاد جس ڈھنگ کے ہوں گے وہ ظاہر ہے۔

مذہب کے متعلق تو آپ دیکھ چکے، اب فلسفۂ حیات کو لیجئے۔ مسلمانوں کے نزدیک فلسفۂ زندگی مذہب سے الگ شے

نہیں۔ یوں سمجھئے کہ مذہب جس رنگ میں انسان کو رنگنا چاہتا ہے، وہ اس کا فلسفۂ زندگی ہوتا ہے، ہندو یوگیوں کا فلسفۂ حیات اہمسا ہے جس کے معنی عدم تشدد (Non-Violence) کئے جاتے ہیں، ان کے شاستر اس کو "پرمو دھرم" (سب سے اعلیٰ مذہب) قرار دیتے ہیں لیکن عدم تشدد سے اس کا صحیح مفہوم ذہن میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ اس سے مفہوم وہ فلسفۂ زندگی ہے جو حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یعنی جو ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی سامنے کر دو۔ ماحصل یہ کہ ہمیشہ مار کھائے جاؤ لیکن سامنے سے ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ جب ہاتھ اٹھاؤ گے تو وہ ہمسا ہو جائیگا کہ قوت و طاقت کا استعمال ہمسا ہے اور مار کھاتے جانے کا طرزِ عمل اہمسا ہے۔ یہ وہ فلسفہ ہے جس کے "اوتار" آج مہاتما گاندھی سمجھے جاتے ہیں۔ اور وہ اس فلسفہ کو انسانیت کی بہترین تعلیم قرار دیتے ہیں۔ واردھا اسکیم جس کے متعلق دعویٰ یہ ہے کہ اس کو مذہب سے کچھ علاقہ نہیں فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اس کی بنیاد اہمسا پر رکھی گئی ہے، چنانچہ رپورٹ زیر بحث میں سب سے مقدم "بنیادی اصول" کے ماتحت لکھا ہے کہ "ہمارے بچوں کو یہ سکھانے کی ضرورت ہے کہ اہمسا کا طریقہ ہمسا سے اچھا ہے (رپورٹ ص۱۱۱) پھر "سماج کے علم" کے عنوان میں درج ہے۔

"جن لوگوں نے قوموں کو آزاد کرایا ہے اور امن کے ذریعہ سے صلح حاصل کی ہے ان کی کہانیاں کورس کی کتابوں میں خاص طور پر ہونی چاہئیں۔ انسانوں کی زندگی سے ایسے سبق سکھانے چاہئیں جن سے اہمسا اور اس کے ساتھ کی خوبیوں کا ہمسا، دھوکے اور دغا سے اچھا ہونا ثابت ہو" (ص۱۱۹)

ہمسا یا اہمسا

ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا قرآن کریم کی رو سے، اسوۂ حسنہ کی رو سے صحابہ کبارؓ کی حیاتِ مقدسہ کی رو سے مسلمان کے لئے فلسفۂ زندگی یہی ہے جس کی تعلیم جبراً ان کے بچوں کو دی جائے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے، وہ خواہ مخواہ دوسروں کو ستانے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ اس سے بڑی سختی سے روکتا ہے وہ اپنے بیگانے سب کی عزت، عصمت، جان، مال، مذہب کی حفاظت کرنا سکھاتا ہے اور اس کے لئے وہ برائی کو بھلائی سے روکنے کا سبق دیتا ہے (اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ) لیکن اس کے نزدیک صرف اتنا حصہ فلسفۂ زندگی کا ایک شعبہ ہے، زندگی صحیح فطرتِ انسانی کے مطابق نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اس عاجزی اور نرمی کے حصہ کے ساتھ دوسرا حصہ اور نہایت اہم حصہ بھی شامل نہ ہو، یعنی وہ کہتا ہے کہ دنیا میں عفو، درگزر، نرمی، لینت رواداری بڑے عمدہ اصول ہیں۔ لیکن جب ایسا وقت آجائے کہ شریر النفس انسان دوسروں کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں اور کمزوروں اور ناتوانوں پہ خدا کی یہ وسیع و عریض زمین تنگ کر دیں

جب ایسا وقت آجائے کہ نرمی اور عاجزی، عفو اور درگذری سے ظالم کی سرکشی، اس کا ظلم و استبداد اور بڑھ جائے تو اس وقت یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے، قوانین الٰہی کی محافظت کے لئے ظالم کے ظلم کو قوت سے روکو اور اس کی سرکشی اور دراز دستی کو پوری طاقت اور زور کے ساتھ کچل کے رکھ دو اس کے تکبر و نخوت، اس کی فرعونیت۔ اور نمرودیت کو چور چور کر دو کہ الفتنة اشد من القتل۔ فتنہ و فساد، ظلم و استبداد، سرکشی اور تظلم قتل سے کہیں زیادہ شر انگیز ہے۔ کہ جس انگلی پر ایسا ناسور ہو جائے جو ناقابل علاج ہو۔ اور اس کے زہر کا سارے جسم میں پھیل جانے کا اندیشہ ہو تو اس انگلی کو کاٹ کر پھینک دینا ہی عین مصلحت ہے اگر آپ کو مظلوم کی حفاظت مقصود ہے تو ظالم کے ظلم کو ہر طرح سے روکنا ہوگا، اگر پُر امن انسانوں کی عزت عصمت جان، مال کا تحفظ مطلوب ہے۔ تو قاتلوں کو حوالۂ دار و رسن کرنا ہوگا مجرموں کو سزائیں دینی پڑینگی، عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے محکمۂ عدالت ناگزیر ہے اور محکمۂ عدالت کے قیام و بقا کے لئے شمشیر جگر دار کا ساتھ ہونا بھی لا ینفک ہے۔ کوئی قانون ایسا نہیں جو دنیا میں قوت کے بغیر نافذ العمل ہوسکتا ہو۔ قرآن کریم نے اسی حقیقت کبریٰ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ ۲۵

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتابیں یعنی قوانین عدل و انصاف نازل کئے تاکہ لوگ اپنے ٹھکانے پر اعتدال سے رہیں، اور ان کے ساتھ ہی ہم نے فولادی شمشیر (لوہے) کو بھی نازل کیا جس میں سخت قوتوں (کے راز) پوشیدہ ہیں، اور لوگوں کے لئے (اور بھی) فائدے ہیں تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی بلا دیکھے مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا زبردست (غالب) ہے۔ ب پ۔ پارا عبد الغیم ربیع

حضرت علامہؒ فرماتے ہیں:۔

سوچا بھی ہے اے مرد مسلماں کبھی تو نے	کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دار
اس بیت کا یہ مصرعۂ اول ہے کہ جس میں	پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار

ایسا ہو سکتا ہے۔ حقیقت غیر مسلموں کے دل میں ہمیشہ ... زبردستی کو جائز ... ہیں تو ... حضرا

خدا کی کتاب یعنی قوانین الٰہی کے ساتھ ساتھ تلوار بھی نازل ہوئی ہے کہ لوگوں کو ٹھیک اپنے اپنے ٹھکانے پر رکھا جائے، جاوید نامہ میں حضرت علامہؒ خاتون محترمہ شرف النساء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ

اُس نے وصیت کی تھی کہ اس کی قبر پر تلوار اور قرآن رکھدیا جائے کہ:۔

این دو قوت[۱] حافظ یک دیگر اند ۔۔۔ کائناتِ زندگی را محور اند۔

مومناں را تیغ با قرآں بس است ۔۔۔ تربتِ ما را ہمیں ساماں بس است

آیت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا خدا قوی عزیز ہے، بے انتہا قوتوں کا مالک اور غالب زبردست ہے اس لئے اس کے رنگ میں رنگی ہوئی قوم بھی قوت و سطوت کی مالک ہونی چاہئے۔ اہمسا کی پرستار تو اس خدا کی قوم ہو سکتی ہے جو اس درجہ بے بس اور مجبور ہو کہ اس پر کوئی پتھر بھی پھینک دیا جائے تو وہ ہاتھ نہ اٹھا سکے، مٹی کے بُت اور ایک خدائے حیّ و قیوم میں جتنا فرق ہے، اتنا ہی فرق اہمسا کے "اوتار" اور ایک مردِ مجاہد میں ہے مسلمان کا ہیولیٰ تو اہمسا اور ہمسا دونوں سے مل کر بنتا ہے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت ۔۔۔ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!

نبی اکرمؐ نے عفو و درگذری کا جو نمونہ اپنی حیاتِ مقدسہ میں پیش کیا اس کی نظیر دنیا کے کسی بڑے سے بڑے مدعی امن و صلح کے ہاں نہیں مل سکتی لیکن اس کے ساتھ ہی جب قوت اور طاقت کے استعمال کی ضرورت پڑی تو کم و بیش (ستر) لڑائیوں (مغازی و سرایا) میں خود شمشیر بدست شریک ہوئے یا ان قدوسیوںؓ کی جماعت کو روانہ فرمایا۔ جو دنیا میں انسانیت کے معراجِ کبریٰ کے مظہر اتم تھے۔ وہ مسلمان جن کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے [margin: ابتک دنیا میں پائی نہیں جاتی]

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۞ ۹/۱۱۱

بے شک اللہ نے مومنین سے بعوض جنت ان کی جانیں اور اموال خرید لئے ہیں اور (اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ) وہ لوگ اللہ کے راستے میں (میدان جنگ میں) لڑتے ہیں۔ سو یا تو دشمن کو تہِ تیغ کر کے امن و سلامتی فاتح و مظفر لوٹتے ہیں) یا وہیں خاک و خون میں غلطاں ہو کر رسمِ شہادت کی بنیاد ڈالتے ہیں۔

وہ اپنے بیگانے سب پر ہے کہ اگر دنیا قوانینِ الٰہی کے مطابق نہ چلے تو اس دنیا کو زیر و زبر کر دے۔ اس زمین و برائی کو بھلائی سے روکنے کا سبق، بنا آب و گل کو درہم برہم کر دے۔

گفتم کہ نمی سازد۔ گفتند کہ درہم زن ۔۔۔ حصّہ فلسفۂ زندگی کا ایک شعبہ ہے جو می سازد

مو تصویر کے ساتھ دوسرا حصہ اور ۔۔۔ میں ڈھل جانے کے لئے نہیں پیدا ہوا۔ بلکہ یہ تو دنیا والوں کو اپنے خدا

---

[۱] تلوار قرآن کریم کی حفاظت کرنے والی ہے یہ تو ظاہر ہے لیکن نکتہ تابناک یہ ہے کہ قرآن کریم بھی تلوار کا محافظ ہے تلوار کو اس محافظ کے بغیر آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ تلوار چنگیز خاں، ہلاکو، کیچنر، ہٹلر اور مسولینی بن جاتی ہے لیکن جب اس کے ساتھ قرآن محافظ ہو تو یہ عمرؓ خالدؓ کی صورت اختیار کرتی ہے، اور دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ ۱۲ منہ

کے وضع کردہ قالب میں ڈھالنے کے لئے پیدا ہوا ہے اگر وہ پانی ہے تو خود اس کے قالب میں ڈھل جائیگا۔ اور اگر لوہا ہے تو اُسے یہ اپنے جلال کی آتش سوزاں میں پگھلائے گا تا آنکہ وہ مائع بن کر اس کے قالب میں ڈھل جائے، یہ دنیا میں قوانین الٰہی کا نافذ کرنے والا ہے[1]۔ اگر شریف النسل انسان اسے نرمی اور محبت سے مان لیں تو اس سے بڑھ کر مہربان کوئی نہ ہوگا لیکن اگر سرکش اور ضدی انسان اس قانون سے بغاوت کرے تو اس جیسا سخت گیر کوئی نہ ہوگا مومن وہ ہے کہ:۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم ‏ ‏ ‏ دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

محمد الرسول اللہ والذین معہ۔ اشداء علی الکفار۔ رحماء بینھم

اہنسا کا فلسفہ توان کا ہے جو آسمان میں بجلی کڑکی تو اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے، بادل گرجا تو اس کے سامنے سجدہ میں جھک گئے، سانپ دیکھا تو ڈنڈوت کرنے لگے، اپنے ہاتھوں سے بُت تراشا اور اُسے خدا بنا کر بیٹھ گئے، لیکن جو اس تمام کائنات کو مسخر کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہو (وسخر لکم ما فی السمٰوات والارض جمیعًا) اہنسا توان کا فلسفہ ہے کہ جنہوں نے جب سے آنکھ کھولی اپنے آپ کو دوسروں کا غلام ہی دیکھا لیکن جو بارہ برس کے اندر چالیس ہزار شہر اور قلعے فتح کرنے والی قوم ہو اس کو صرف اہنسا سے کیا واسطہ۔ نبی اکرمؐ سے دریافت کیا گیا کہ مومن کی زندگی کیا ہے؟ فرمایا کہ جب جہاد ہو رہا ہو تو وہ میدان جنگ میں ہو۔ اور جب نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔ میدانِ جہاد کا نقشہ تو آپ نے آیتِ مندرجہ صدر (وَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ) میں دیکھ لیا۔ تیاری میں مصروف رہنے کے متعلق ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ .... ؁

اور جس قدر قوت (وسامان) تم سے ہو سکے اس سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں (کے مقابلہ) کی تیاری رکھو تاکہ (اس قوت وشوکت سے) اُن پر تمہارا رعب جما رہے

کہئیے کہ وہ قوم جس کا رازِ حیات ان احکام کے اندر پوشیدہ ہو۔ اس کا فلسفۂ زندگی اہنسا ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ فلسفۂ زندگی جس میں جمال کے ساتھ جلال کا عنصر بھی شامل ہے غیر مسلموں کے دل میں اندیشہ

---

[1] یاد رہے کہ اس سے یہ مقصد نہیں کہ وہ دوسروں کو زبردستی مسلمان بنائیگا۔ اسلام مذہب میں زبردستی کو جائز نہیں قرار دیتا لیکن قرآن کے ضابطہ میں وہ قوانین الٰہی بھی موجود ہیں جو غیر مسلموں پر ان کے منصب کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے نافذ العمل ہو سکتے ہیں۔ اور عین عدل و انصاف سے ہو سکتے ہیں۔ مد

سے کھٹکتا رہا ہے۔ کوئی ڈاکو کسی کوتوال کو اچھا نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے اُنہوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے
کہ اس فلسفۂ زندگی کو گھناونا بنا کر دکھایا جائے۔ اُس کی ایسی تصویر کھینچی جائے کہ جو دیکھے اس سے نفرت کرنے
لگ جائے، عیسائی مستشرق ایک عرصہ تک اس گھناونی تصویر کی نشر و اشاعت کرتے رہے ہیں (اور اب
بھی کر رہے ہیں) نتیجہ اس پروپیگنڈا کا یہ ہوا کہ غیر تو غیر، خود مسلمان بھی اس قوت و شوکت کے فلسفۂ حیات
کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گیا۔ گزشتہ پچاس برس سے آپ ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھئے بالعموم
جہاد کے مسئلہ میں وہ کچھ ایسے جھینپے ہوئے سے نظر آئیں گے۔ ان کا کچھ ایسا Appologetic
Attitude ہوگا کہ اوّل تو ان کی خواہش یہ ہوگی کہ کسی طرح قرآن کریم سے یہ آیتیں خارج ہی ہو جائیں
تو اچھا ہے لیکن چونکہ اس پر ان کا بس نہیں چلتا اس لئے وہ ان آیات کی ایسی مضحکہ انگیز تاویلیں کرتے ہیں جن
سے کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس زمانے کے احکام ہیں جس میں ابھی دنیا اتنی "مہذب" نہ ہوئی تھی، وہ
دَورِ وحشت و بربریت تھا، یہ احکام وقتی تھے۔ اس زمانے کے مخصوص حالات کے ماتحت عربوں کی اس
جنگجو قوم کے مقابلہ میں اس قسم کے طرزِ عمل کی ضرورت پڑ گئی۔ لیکن اب یہ تمام آیات "منسوخ" ہو چکی ہیں۔ اور
اب جہاد صرف "اشتہار نویسی" اور "مناظرہ بازی" کا نام رہ گیا ہے۔ اس پروپیگنڈے کی تکمیل کے لئے قادیان
میں ایک "نبی" بھیجا گیا۔ اور اس نے فیصلہ ہی کر دیا کہ جہاد بالسیف اب سے قطعاً ممنوع ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ہو اگر قوتِ فرعون کی درپردہ مرید — قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللّٰہی

ایک مثال

اس منظم سازش کے متعلق حضرت علامہؒ اپنی مثنوی اسرار و رموز میں تمثیلاً بیان فرماتے ہیں کہ کسی
جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ وہاں کی بھیڑیں جب اس سے تنگ آگئیں تو انہوں نے مل بیٹھ کر مشورہ کیا کہ
اس آفت کا علاج کیا کیا جائے۔ ان میں جو سب سے زیادہ سیاست داں بھیڑ تھی اس نے کہا کہ دیکھو بھئی! اگر
تم تمام بھیڑیں بھی اکٹھی مل جاؤ تب بھی ایک شیر نہیں بن سکتیں، لہٰذا اپنے آپ کو شیر بنا لینے کا خیال محض وہم ہے
البتہ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس شیر کو کسی طرح بھیڑ بنا دیا جائے۔ چنانچہ اس بھیڑ نے گیروے رنگ کے
کپڑے پہنے، ماتھے پر تلک لگایا، پاؤں میں کھڑاویں پہنیں۔ اور ایشور بھگتی ایشور بھگتی کا منتر جاپتے ہوئے شیر کی
طرف چلی۔ شیر نے دیکھا کہ ایک دیوتا سروپ مہاتما چلا آتا ہے۔ ڈنڈوت کیا اور پاس بیٹھ گیا۔ بھیڑ نے آشیرباد
دی، اور نہایت مسکین سی شکل بنا کر اپدیش دینا شروع کیا کہ بابا! یہ دنیا چند روزہ ہے، مایا کا جال ہے۔ یہ
خونریزی اور گوشت خوری کی زندگی بھلے مانسوں کا کام نہیں، دشمن سے پریم کرو۔ اپنے آپ کو مارو۔ آتما کی

ایکہ می نازی بذبح گوسفند ٭ ذبح کن خود را کہ باشی ارجمند
زندگی را می کند ناپائدار ٭ جبر و قہر و انتقام و اقتدار
غافل از خود شو اگر فرزانہ ٭ گر ز خود غافل نہ دیوانہ ٭
چشم بند و گوش بند و لب بہ بند تا رسد فکرِ تو بر چرخ بلند

گوسفند کی یہ خواب آور فسوں سازی کارگر ہو گئی۔ اور شیر اس کا چیلہ بن گیا۔ اب ہنسا کی جگہ اہنسا کا فلسفہ اس کی زندگی کا طرزِ عمل تھا۔ گوشت چھوڑ کر گھاس پات پر گذران ہونے لگی۔ وہ قوت و ہیبت، وہ تندی و تیزی، وہ جلال و جبروت، مسکینی و عاجزی۔ کمزوری و ناتوانی۔ بزدلی و دوں ہمتی میں بدل گئی رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ:۔

از علف آں تیزیٔ دنداں نماند ہیبت چشم شرر افشاں نماند
دل بتدریج از میانِ سینہ رفت جوہرِ آئینہ از آئینہ رفت
آں جنونِ کوششِ کامل نماند آں تقاضائے عمل در دل نماند
اقتدار و عزم و استقلال رفت اعتبار و عزت و اقبال رفت
پنجہ ہائے آہنی بے زور شد ٭ مُردہ شد دلہا و تنہا گور شد
صد مرض پیدا شد از بے ہمتی ٭ کوتہ دستی۔ بیدلی۔ دوں فطرتی ٭

نتیجہ یہ کہ:۔ شیرِ بیدار از فسونِ میش خفت
اور قیامت یہ کہ:۔ انحطاطِ خویش را تہذیب گفت۔

ناصحانِ مشفق

یہ گوسفندی ناصحانِ مشفق پہلے پادریوں کی صورت میں جلوہ فرما ہوا کرتے تھے۔ انگلستان سے چلتے تو اپنے اسلحہ بنانے والے کارخانوں کو تاکید کر آتے کہ دیکھنا تمہاری بھٹیاں کہیں ٹھنڈی نہ پڑ جائیں۔ سولہ سولہ اِنچ دہانے کی توپیں۔ چار چار من کے گولے ڈھلتے چلے جائیں۔ لیکن مشرق میں مسلمانوں کو "مسیح کی منادی" سُنائی جاتی کہ خدا کی بادشاہت۔ کمزوروں ناتوانوں اور ضعیفوں کا حصّہ ہے۔ افیم کھا کر سو رہو تاکہ ملوکیت کے شکنجے اچھی طرح سے تم پر کسے جائیں وہ اُن کو آسمانی بادشاہت کے خواب آور افسانے سُناتے رہے۔ حتیٰ کہ زمین کی بادشاہت یکسر دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ وہ دور ختم ہوا تو وہی بھیڑ اب سادھو مہاتماؤں کے چولے میں مسلمانوں کے سامنے اہنسا کا پرچار کرنے لگی۔ ڈاکٹر مونجے ملٹری کالج کھول رہا ہے۔ بھائی پرمانند سنگھٹن کے اکھاڑے

[illegible]

ظلم و ستم سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ سرحد کے پٹھانوں کو اہنسا کا سبق دیئے جاتے ہیں۔

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندانِ مکتب سے   سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

"پٹھان کا ہوّا" بھارت ماتا کے سر پر جن کی طرح سوار تھا۔ اس کے دفعیہ کا یہی موثر طریقہ سمجھا گیا کہ اپنے ہاں ملٹری کالج کھولے جائیں اور وہاں کے "خان" کو "گاندھی" بنا کر ہاتھ باندھ کر ڈنڈوت کرنا سکھایا جائے۔ اور اس کے بعد جو جبری تعلیم رائج کی جائے اس میں بچوں کے دلوں پر یہ نقش کیا جائے کہ اہنسا کا نظریہ زندگی ہمیشہ ہمسا سے اچھا ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہمسا کی برائیاں اچھی طرح سے واضح کی جائیں اور تاریخ عالم سے ان مشاہیر کی کہانیاں پڑھائی جائیں۔ جنھوں نے اہسا کے ذریعے سے دنیا میں امن حاصل کیا ہے۔ یعنی مہاتما بدھ کی سوانح حیات اجاگر کر کے دکھائی جائے اور محمد الرسول اللہؐ کی زندگی (نعوذ باللہ) گھناؤنی بتائی جائے۔ ہندوستانی غلاموں کا دستور حیات درخشندہ نظر آئے۔ اور عمرؓ و خالدؓ کا طرز عمل (خاکم بدہن) مردود قرار پا جائے۔ ذرا تصور میں لائیے اس وقت کو کہ آپ کے بچے سات برس کی عمر سے چودہ برس کی عمر تک اس تعلیم کے لئے مجبور کئے جائیں جس کی رو سے نبی اکرمؐ سے لیکر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ تک تمام مجاہدین اسلام کا فلسفۂ حیات نفرت انگیز ہو۔ اور اس کے برعکس ہندوستان کے تمام یوگی سنیاسی اور ان کے سرخیل مہاتما گاندھی خدا کے اوتار سمجھے جائیں۔ غور فرمائیے کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ ہندو کی تو سلطنت ہوگی اس لئے ان کے بچوں کو اہسا پڑھائیے یا ہمسا۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ بلکہ اہسا سے ان کے دلوں میں اپنے بزرگوں کی عزت اپنے مذہب کی عظمت اور مسلمانوں کے مشاہیر سے نفرت اور اُن کے مذہب سے حقارت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ لیکن غور فرمائیے کہ مسلمان بچوں کی ذہنی اور قلبی کیفیت کیا سے کیا بن جائے گی۔ مہاتما جی کس قدر معصومانہ انداز سے فرماتے ہیں کہ موجودہ انداز پر مذہبی تعلیم سے چونکہ اختلافات بڑھتے ہیں۔ اس لئے مذہبی تعلیم کو واردھا اسکیم سے خارج کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان سے کوئی پوچھے کہ اہسا کی خوبیاں اور ہمسا کی برائیاں بتانے سے کوئی اختلاف نہ پیدا ہوگا! اس "مہاتمیت" کے چولے کو اتار دیئے تو نیچے سے صاف نظر آ جائے گا کہ مقصد اصل کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ مذہب اسلام کی تعلیم جبراً روک دی جائے اور اس کے بجائے ہندو مت کی تعلیم عام کر دیجائے۔

اعتراف حقیقت

تنہا اہسا اور اسلامی تعلیم میں اتنا کھلا ہوا فرق ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب پچھلے دنوں جب واردھا اسکیم کے سلسلہ میں شملہ تشریف لائے تو انھوں نے اسکیم کے متعلق صندل ہال میں تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد ایک پرائیویٹ صحبت میں اُن سے اہسا اور اسلامی فلسفۂ حیات کے متعلق کچھ سوالات کئے گئے تو انھوں نے کھلے الفاظ میں اقرار کر لیا کہ فی الواقعہ یہ غلطی ہے۔ اسلام کا فلسفۂ زندگی صرف اہنسا نہیں بلکہ ہمسا اور اہنسا دونوں کا

امتزاج ہے۔ اب پتہ نہیں کہ جناب ڈاکٹر صاحب اس غلطی کا اعلان بھی فرماتے ہیں یا نہیں۔ لیکن ہم تو بالکل واضح الفاظ میں اعلان کر دینا چاہتے ہیں کہ اسلام نرمی اور انکساری کے ساتھ ساتھ سختی اور درشتی کا بھی مذہب ہے یہ جلال اور جمال کا مذہب ہے۔ یہ محبت اور قوت کا مذہب ہے۔ اشداء علی الکفار بھی اسی خدا کا حکم ہے۔ جس کا حکم رحماء بینہم ہے۔ فاقتلوھم حیث ثقفتموھم (فتنہ پردازوں کو جہاں پاؤ کچل دو) یہ بھی اسی خدا کا ارشاد ہے جس کا ارشاد فاعفوا واصفحوا (معاف کرو اور درگذری کرو) ہے مسلمان کو حکم یہ ہے کہ:۔

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر — شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گذر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ بیاباں سے — گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

یہ ہے وہ تعلیم جو ان بچوں کے شایانِ شان ہے۔ جو تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوتے ہیں۔ نہ کہ اہنسا کی خود فریبی ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان کی آج کیا حالت ہے۔ ہمیں تو اس سے غرض ہے کہ وہ مذہب جسے مسلمان خدا کا سچا مذہب سمجھتا ہے اس کی تعلیم کیا ہے۔

اب ذرا سماج کے علم کے ان دو ٹکڑوں کو ملائیے۔

(۱) تمام مذاہب اسلام اور ہندومت۔ اصولی طور پر یکساں ہیں کسی کو دوسرے پر تفوق نہیں۔

(۲) فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اہنسا کو اہما پر فضیلت ہے۔

فرمائیے نتیجہ کیا نکلا؟ اس پر اعلان پر اعلان ہو رہا ہے کہ یہ اسکیم مشترکہ تعلیم کی اسکیم ہے۔ شاستروں کا فلسفۂ زندگی۔ اور برہمو سماج کا مذہب پوری اسکیم میں موجود ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ اسے کسی مذہب کی تعلیم سے واسطہ نہیں۔ اللہ اکبر! کس قدر کھلا ہوا فریب!!

بنیادی نقش

"سماج کے علم" کی ایک اور شق میں تحریر ہے کہ تعلیم ایسی دی جائے جس سے بچے کے "دل میں وطن کی محبت ہو۔ وہ ہندوستان کے پچھلے زمانہ کی عزت کرے۔" (رپورٹ صفحہ ۱۱۱)

بجا! مذہب کے اعتبار سے اسلام اور ہندومت یکساں

فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اہنسا کو ہمسا پر فوقیت

ہندو مذہب اور ہندو فلسفہ کا جس عہد میں زور تھا۔ اس زمانے کی عزت بچے کے دل میں بٹھا دی جائے۔ اس طرح متحدہ قومیت کی تشکیل ہو گی۔ الگ الگ مذہب کی تعلیم چونکہ لڑائی جھگڑے کا موجب ہوتی ہے اس

لئے اہمسا کے ودیا مندر میں اس کا گذر کیوں ہو۔ ان جھگڑوں کے مٹانے کا واحد علاج یہ ہے کہ تعلیم ایسی دی جائے جس کی رو سے ہندو فلسفۂ زندگی کی عظمت اور ہندو دور تہذیب کی عزت دلوں میں نقش ہو جائے، اسلام کے فلسفۂ زندگی کی مذمت اور اس فلسفہ کے علمبرداران کی طرف سے دل میں نفرت پیدا ہو جائے جھگڑے خود بخود مٹ جائیں گے جھگڑے تو اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب ہندو سمجھتا ہے کہ اسلام اور مسلمان صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لائق ہیں اور مسلمان ایسا سُن نہیں سکتا لیکن جب ہندو اور مسلمان دونوں بچے اس باب میں متفق اللسان ہوں گے کہ ہاں واقعی اسلام کا فلسفۂ حیات اور اس کے علمبرداران انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں تو پھر جھگڑا کیسے پیدا ہوگا جب سر ہی نہ رہے گا تو سر درد کہاں ہوگا۔ یہ ہے وہ "اندرونی روشنی" جو اس نوع انسانی کے مصلح اعظم کو براہ راست "خدا" کی طرف سے ملتی ہے جس کے دل میں تمام مذاہب کے پیرؤوں کے لئے "جذبہ ہمدردی" یکساں موجزن ہے۔ یہ اس دیش کے مہاتما ہیں جہاں کے "ہیرو" کا سب سے بڑا کارنامہ یہ گنا جاتا ہے کہ وہ جب افضل خاں سے صلح و محبت کا معانقہ کرنے کے لئے آگے بڑھا تو زیر آستین تیز نوکدار آہنیں پنجہ چھپا رکھا تھا جو اس دوست نے بغلگیر ہونے پر اس کے قلب و جگر میں پیوست کر دیا گیا۔ اس دیش کے مہاتما سے آپ کس قسم کے سلوک کی توقع رکھ سکتے ہیں۔!

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے شملہ کی اس پرائیویٹ صحبت میں جس کا ذکر اُوپر کیا جا چکا ہے۔ فرمایا تھا کہ "پچھلے زمانے" سے ان کی مراد صرف ہندوؤں کا زمانہ ہی نہیں بلکہ اس میں مسلمانوں کا زمانہ بھی شامل ہے۔ لیکن جب یہ عرض کیا گیا کہ مسلمانوں کے زمانہ میں تو ہمسا کے علمبردار ہی نظر آئینگے اس زمانہ کی عزت بچہ کے دل میں کیسے بٹھائی جائے گی۔ تو انھوں نے فرمایا کہ اس زمانہ کے صوفیائے کرام کے حالات بتائے جائیں گے جنہوں نے اہمسا کے مطابق زندگی بسر کی ہے۔

ہم اس وقت اس بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے کہ وہ حضرات جن پر قرآنی اصطلاح میں "اولیا اللہ" کا لقب صادر ہوتا ہے۔ وقت آنے پر وہ کس طرح تسبیح و مصلّے کے ساتھ ساتھ شمشیر و سنان کو بھی عین اسلام سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلم قوم پرست حضرات کے نزدیک اسلام کے اندر بھی خوبی صرف اسی چیز میں رہ گئی ہے جو ہندوؤں کے نظریۂ زندگی کے مطابق ہو۔ اسلام کا دوسرا حصہ یعنی مجاہدانہ حرارت کا شعبہ چونکہ اہمسا کے نظریہ کے مطابق نہیں ہے اس لئے اس میں بُرائیاں ہی بُرائیاں ہیں۔ یہ ہے عملی تفسیر (یومنون ببعض الکتاب و یکفرون ببعض) کی یعنی قرآن کے اتنے حصے پر ایمان جو اپنے نظریے کے مطابق ہو اور باقی حصہ سے انکار

باب سوم

زبان کا مسئلہ

اس کے بعد زبان کا مسئلہ آتا ہے۔"ہندوستانی" زبان نصاب میں لازمی رکھی ہے (رپورٹ صـ۱۲۲) زبان کا مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اسے ضمنی طور پر چھیڑا نہیں جا سکتا۔ یہ مضمون بہت طویل ہو رہا ہے۔ اس لئے ایسے اہم سوال پر ہم کسی دوسری صحبت میں مفصل بحث کریں گے (انشاء اللہ) اتنا یاد رہے کہ کسی قوم کی موت وحیات کا سوال اس قوم کی زبان اور اس کے رسم الخط سے وابستہ ہوتا ہے۔ مسلمان اس کی اہمیت سے ناواقف ہیں اور ہندو چپکے ہی چپکے وہ سب کچھ کئے جا رہے ہیں کہ جب اس کے نتیجہ پر نگاہ پہنچتی ہے تو روح کانپ اٹھتی ہے کہ یا اللہ مستقبل قریب میں مسلمانوں پر یہاں کیا کچھ گذرنے والا ہے۔ اس وقت تو اتنا دیکھئے کہ ہندوؤں کی اس تحریک کا اثر کہ "ہندوستانی" زبان سے عربی وفارسی کے "غیر مانوس" الفاظ کو نکال دینا چاہیئے۔ کس قدر سرعت سے پھیلتا جا رہا ہے۔ رپورٹ زیر نظر میں انگریزی الفاظ تو جگہ جگہ آپ کو ملیں گے۔ مثلاً ٹریننگ، کورس، پالیسی، نارمل، ورنیکلر وغیرہ۔ لیکن عربی اور فارسی کے ان الفاظ کی بجائے جن کے سمجھنے میں کسی اردو داں کو دقت نہیں ہو سکتی۔ ایسے الفاظ ٹھونسے گئے ہیں جنہیں نہ عبارت کی روانی قبول کرتی ہے نہ مذاقِ سلیم جبکہ بعض الفاظ بجائے خویش ایسے غیر مانوس ہیں کہ اردو داں طبقے نے شاید ہی کبھی سنے ہوں۔ مثلاً نئی سماج کا ڈول ڈالے' جس کی نیو انسانی ہمدردی پر رکھی گئی ہو، پچھم کے ملکوں میں، کسی مفید سیوا کے ذریعے، دھیرے دھیرے اتنی مشق ہو جائے' جس کی نیو . . . . نیاؤ پر رکھی جائے ' وغیرہ۔ کہئے کہ طرح ڈالنا، بنیاد، مغرب، خدمت، آہستہ آہستہ، انصاف ان میں سے کونسا لفظ ایسا ہے جو عام فہم نہیں۔ ان کی جگہ خواہ مخواہ "پوربیوں کی بولی" گھسیٹ لانا اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ ہر بات میں ہندوؤں کی خوشنودی کا جذبہ کس قدر غالب آ رہا ہے۔ یہ اگر "مرعوبیت" نہیں تو اور کیا ہے۔

باب چہارم

(معاشرت)

اب مقطع کا بند سنئے ارشاد ہے:۔

"گانا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ بچوں کو اچھے گیت یاد ہو جائیں اور انھیں اچھے گانے کی پہچان اور شوق ہو جائے۔ بچوں میں تال کا جو قدرتی احساس ہوتا ہے اُسے ترقی دینے کے لئے انہیں دونوں ہاتھوں سے تالی دینا سکھایا جائے"۔ صـ۱۲۳

آپ کو معلوم ہے کہ اچھے بُرے گانے کی پہچان کے لئے کس قدر راگ ودیا کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر سرتال سے سیکھنے کے لئے اور کیا کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔ رقص وسرود ہندوؤں کی پراچین تہذیب کا ایک ضروری جزو ہے۔ ڈاکٹر ٹیگور کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ نوجوان لڑکیوں کو ساتھ لیکر شہر شہر ناچ اور گانے کا تماشا دکھاتے پھرتے تھے۔ اودے شنکر اور اس کی پارٹی رقص وسرود کے ذریعے "کرشن لیلا" کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ ہندو کنیا مہاودیالوں میں راگ وغیرہ نصاب میں داخل ہے۔ لہذا اگر ہندو لڑکے اور لڑکیوں کے لئے راگ کا نصاب رکھا جائے تو اُنہیں عین مسرت ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ چودہ برس کی عمر میں مسلمان لڑکیوں کو راگ اور تال سکھا کر کیا بنانا مقصود ہے۔ حضرت اکبر مرحوم نے فرمایا تھا کہ

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر — خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں
دیں دار و متقی ہوں جو ہوں اُن کے منصرم — اُستاد اچھے ہوں مگر استادجی نہ ہوں

ذرا غور سے دیکھئے کہ آزاد ہندوستان میں جبری تعلیم کی رُو سے آپ کی بیٹیاں اور بہنیں کس قسم کی تعلیم حاصل کیا کریں گی۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں، — محو حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

نتائج مستخرجہ

علتِ مرض

یہ ہے مختصراً واردھا سکیم جو مہاتما گاندھی کے مجلیٰ دماغ سے جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی مساعی جمیلہ کے صدقے مسلمانوں کے بچے اور بچیوں کے لئے جبری تعلیم کا نصاب بننے والی ہے۔ شملہ میں اسکیم پر آخری مرتبہ غور وخوض ہوچکا ہے۔ اور اس کے بعد یہ نافذ العمل ہوجائے گی۔ مسلمانوں نے دیگر اہم مسائل کی طرح تعلیمی مسائل میں بھی ہمیشہ بے رُخی برتی ہے جس کا نتیجہ ان کے سامنے ہے۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ اگر اُنھوں نے اس مرتبہ بھی ایسا ہی کیا تو پچاس برس کے اندر وہ دیکھیں گے کہ ان کا ہندوستان میں بھی وہی حشر ہوگا جو اسپین میں ہوا تھا اور پھر یہ ڈھونڈیں گے کہ وہ قوم کیا ہوئی جو اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتی تھی۔ لیکن یہ سب باتیں فروعی ہیں۔ اصل نقص کہیں اور ہے۔ یہ تو یُوں سمجھئے کہ یہاں پھوڑا نکل آیا۔ وہاں پھنسی ہوگئی۔ کہیں خارش نمودار ہوگئی کہیں چیچک پھوٹ نکلا۔ یہ امراض نہیں ہیں بلکہ علامات مرض ہیں۔ علت مرض یہ ہے کہ خون خراب ہوچکا ہے ان پھوڑے پھنسیوں کا علاج مرہم سے نہیں ہوگا۔ خون صاف کردینے سے ہوگا۔ یہ واردھا سکیم، یہ مخلوط وجداگانہ طریق انتخاب یہ ہندی اُردو کے جھگڑے سب علامات مرض ہیں۔ اصل مرض یہ ہے کہ ہندو ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت بنانا چاہتے ہیں۔ تاکہ مسلمان اپنی ملی خصوصیات کھو کر کان نمک میں پہنچکر نمک بن جائیں۔ جب تک آپ اس بنیادی اصول کو پاش پاش کرکے نہ رکھدیں گے آپ کے

کسی مرض کا علاج نہیں ہوسکتا۔ مسلمان ہندوستان میں ایک الگ قوم کی حیثیت سے رہیگا۔ اس کی الگ جماعتی زندگی ہوگی اور جب قوم الگ ہوگی تو پھر اس کی زبان بھی اپنی ہوگی۔ تہذیب بھی الگ ہوگی، مذہب بھی الگ ہوگا اور تعلیم بھی الگ ہوگی۔ نہ ان کی مشترکہ قومیت ہوسکتی ہے اور نہ مشترکہ تعلیم۔ ہندوؤں سے کہئے کہ وہ اپنے بچوں کے لئے تعلیمی اسکیمیں تیار کرتے رہیں۔ اُنہیں کیا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کے لئے تعلیمی تجاویز سوچتے پھریں اور پھر ان پر اُنہیں جبراً عاید کردیں اور اس طرح جو کام سوامی شردھانند نے اٹھایا تھا۔ لیکن وہ پروان نہ چڑھ سکا اسے مہاتما گاندھی پورا کریں

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

ہمیں یقین ہے کہ مسلمانوں کے لیے جو مہلک اثرات اس اسکیم کے اندر چھپا کر رکھے گئے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی نگاہوں کے سامنے وہ بے نقاب ہوکر نہیں آئے اور انھوں نے اس کو محض سطحی اور عمومی نظر سے دیکھا ہے ورنہ یہ باور کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا کہ جناب ڈاکٹر صاحب دیدہ و دانستہ ہندوؤں کی چھری سے یوں مسلمانوں کے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے پر تلے بیٹھے ہوں۔ خدا کرے کہ اس اسکیم کے ساتھ ان کی تائید غلط فہمی پر مبنی ہو۔ اور جس طرح انھوں نے شملہ میں اہنسا کے متعلق اپنی غلطی کو تسلیم کیا تھا۔ اسی طرح وہ باقی اسکیم کے متعلق تفصیلات بالا کی روشنی میں غور فرما کر اس سے اپنی بریت کا اعلان فرمادیں ورنہ یہ ظاہر ہے کہ اس اسکیم کا ان کے نام سے انتساب ملت اسلامیہ کا قتل نہیں تو اعانت قتل کے جرم سے اُنہیں کبھی بری نہیں قرار دے سکیگا۔

تکملہ

یہ مضمون پریس میں جاچکا تھا کہ مہاتما گاندھی کا ذیل کا بیان اخبارات میں شائع ہوا۔

"مختلف طبقات و مذاہب کے بچوں میں رواداری اور دوستی کی جو رُوح پیدا ہورہی ہے۔ میں اس کے پیش نظر اس بات کو سخت مہلک اور خطرناک سمجھتا ہوں کہ ان کو یہ سکھایا جائے کہ اُن کا مذہب دیگر تمام مذاہب پر برتری رکھتا ہے یا جس مذہب کے وہ قائل ہیں اُن کے نزدیک بس وہی مذہب سچا ہے، اگر یہ تفرقہ انگیز رُوح قوم میں سرایت کرگئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر فرقہ کا علیحدہ اسکول ہو جس میں ہر ایک کو مذمت کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو یا پھر ایسی درسگاہوں میں مذہب کے تذکرہ کو بالکل ہی ممنوع قرار دیا جائے۔

(اسٹیٹسمین ۱۷ ؍جولائی ۱۹۳۸ء صلہ کالم ۲) (نیز ہندوستان ٹائمز ۱۷ ؍جولائی ۱۹۳۸ء)

دیکھ لیجئے۔ جس چیز کی طرف ہم نے اپنے مضمون میں اشارہ کیا تھا وہ لفظاً لفظاً سامنے آگئی یا نہیں! اور ابھی، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا! جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ مہاتما گاندھی کا مسلک شیر کا مسلک نہیں جو بے نقاب گرجتا پھرتا سامنے آجائے۔ بلکہ ان کا مسلک ہمیشہ گھات میں رہنے کا ہے اور مسلمانوں [illegible]

تب ہی کے معاملات میں تو وہ خاص طور پر شاطرانہ چالوں سے کام لیتے ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھ لیجئے کہ جو کچھ مہاتما جی چاہتے ہیں وہ لفظاً لفظاً وہی ہے جو مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں پہلے ہی سے لکھ رکھا ہے اور اس طرح مہاتما گاندھی کے مقصد کے حصول کے لئے پہلے ہی سے زمین تیار کر چھوڑی ہے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کے مذکورہ صدر بیان پر مولانا آزاد اور دیگر قوم پرست علماء حضرات کی خاموشی اس بات پر شاہد ہے کہ وہ اس باب میں مہاتما گاندھی کی تائید کرتے ہیں کہ واقعی یہ عقیدہ "سخت مہلک" خطرناک ہے کہ اسلام دیگر تمام مذاہب پر برتری رکھتا ہے۔ اور اسلام ہی خدا کے نزدیک سچا مذہب ہے۔

اندازہ فرمائیے کہ جب مسلمان بچوں کو یہ سمجھا دیا جائے گا۔ کہ دیگر مذاہب بھی اسلام کی طرح سچے اور خدائی مذاہب ہیں تو پھر اسلامی قوانین کی حفاظت؛ اسلامی تمدن و تہذیب کی حفاظت اور اسلامی حقوق کی حفاظت کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا اگر صحابہ کرامؓ کو مذہب کا یہ فلسفہ معلوم ہوتا اگر خالد بن ولید رضؓ۔ عمرو بن العاص اور سلطان صلاح الدین کو اپنے زمانہ میں کوئی گاندھی مل جاتا تو آج اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ یعنی سرے سے اسلام کا وجود ہی نہ ہوتا اور مسلمان بہت جلد اس کیمیاوی عمل سے تحلیل ہو کر فنا، ہو جاتا۔ لیکن مہاتما گاندھی یا اور ہندوؤں کا کیا گلہ۔ اُنھوں نے تو مسلمانوں سے انتقام لینا ہے۔ اور اس کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کریں گے۔ رونا تو آتا ہے ان مسلمان اکابر پر جو ان کے اِن مقاصد کے حصول میں اس قدر "جہادِ عظیم" میں مصروف ہیں۔

از باغباں شد است کہ صیاد آں نہ کرد

امارت شرعیہ بہار اور واردھا اسکیم

(واردھا کی تعلیمی اسکیم جو اول سے آخر تک گاندھی جی کے دماغ کی اختراع اور جامع ملیہ کے محترم امیر کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے جس قدر تباہ کن ہے۔ اس کا احساس ابتدا میں بہت کم لوگوں کو ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ "طلوعِ اسلام" نے سب سے پہلے اس کے بنیادی اور تخریبی اصولوں پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ تنقیدی نگاہ ڈالی اور اس کے ترکیبی عناصر کو تحلیل کر کے دلائل اور واقعات کی روشنی میں بتایا کہ

یہ تعلیمی اسکیم اسلامی نظریات و افکار سے کس قدر مختلف ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے کیا کیا مضرتیں پوشیدہ ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ "طلوعِ اسلام" کی یہ دلیرانہ تنقید کامیاب ہوئی اور اُس کی تائید میں ملک کے گوشہ گوشہ سے صدائیں بلند ہونے لگیں [۱]۔

ارمات شرعیہ صوبہ بہار "ٹوڈیوں" اور "رجعت پسندوں" کی جماعت نہیں ہے۔ بلکہ وہ مذہبی ادارہ ہے جس نے کانگریس کی ہمیشہ حمایت کی ہے اور اس کے دوش بدوش کام کیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے بھی اس اہم مسئلہ کی جانب توجہ کی اور واردھا کی تعلیمی اسکیم پر صحیح زاویہ نگاہ سے ایک مبسوط تبصرہ شائع کیا۔ جسے ہم بکمال مسرت ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(رازی)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمان قوم کی بنیاد قرآن کریم اور احادیث کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ کوئی شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس امر کو جانے کہ اسلام کن بنیادی اصولوں کو ماننے اور کن اعمال کے کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

انگریزوں نے جب یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی ترقی کا راز اُن کے مذہبی علم اور عمل پر مبنی ہے تو ان کی مذہبیت کو فنا کرنے کے لئے سب سے پہلا ہتھیار جو تیار ہوا وہ یہ تھا کہ مذہب اسلام کی تعلیم کو تعلیم گاہوں سے خارج کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اسلامی رُوح سلب ہو گئی۔ اور آج جو کچھ آپ کو نظر آ رہا ہے وہ قوم کا جسدِ بے رُوح ہے اکبر مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے!
تو خوشی پھر اُس کی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

مسلمان انقلاب ہند کے لئے جو کوشش کرتے رہے ہیں، اس کے دو مقاصد اُن کے سامنے رہے ہیں۔ مذہب کی آزادی اور ملک کی آزادی، موجودہ اصلاحات نے ناقص طریقہ پر تعمیر قومی کا کسی حد تک موقع دیا ہے اسی بنا پر جب سے کانگریس نے صوبوں کی حکومتوں کے چلانے کی ذمہ داری لی ہے۔ وہ اس کوشش میں مصروف ہے کہ ابتدائی تعلیم کو عام اور جبری کیا جائے اور اس کو تعمیر قومیت کا ذریعہ بنایا جائے اس موقع پر مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ اُن کے بچوں کی تعلیم کا سامان اس طرح کیا جائے کہ انکی متاعِ گم گشتہ پھر واپس آئے یعنی مسلمان پھر مسلمان ہوں۔

---

[۱] چنانچہ پمفلٹ "واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان" تقریباً دس ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے پشتو اور گجراتی میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں اور سندھی [illegible] کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ [illegible]

مذہبی لزوم کے لئے امارت شرعیہ کی سعی

نمائندہ حکومت کی بنا کے بعد مسلمانوں کو یہ سمجھنے کا فطری حق حاصل ہے کہ موجودہ حکومتیں قومی حکومتیں ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں اُن کے جذبات اور حسیات کا لحاظ رکھیں۔ اسی بنا پر امارت شرعیہ صوبہ بہار نے جب اِن تیاریوں کا حال سُنا جو قومی تعلیم کے اجرا کے متعلق کانگریس کے رُوح رواں یعنی گاندھی جی نے شروع کی تو امارت شرعیہ نے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت کی راہنمائی اور ہدایت میں ذمہ دار حضرات کو اس طرف توجہ دلائی کہ ابتدائی تعلیم میں مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم بھی لزوماً داخل کی جائے۔

واردھا تعلیمی کمیٹی کے صدر کے نام خط

اس سلسلہ میں جب ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء مطابق ۱۷ شعبان ۱۳۵۶ھ کو واردھا تعلیمی کمیٹی بنی اور اس کے صدر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب قرار پائے تو ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء مطابق ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ کو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے ایک خط لکھا کہ "ابتدائی اور جبری تعلیم کا جو خاکہ آپ کو تیار کرنا ہے اُس میں ابتدا ہی سے مذہبی تعلیم کے لئے کافی گھنٹے رکھنے چاہئیں۔ اُمید ہے کہ اس پر آپ کی نظر ہوگی۔ لیکن بطور یاددہانی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرادوں کمیٹی کو یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ اگر ایسا نہ ہوگا" تو مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہو جائیگی"۔ اسی مضمون کا ایک خط حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کو بھی لکھا کہ آپ بھی ڈاکٹر صاحب کو توجہ دلائیں۔

وزیر تعلیم سے گفتگو

رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ میں آنریبل ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم صوبہ بہار سے ایک نجی صحبت میں ابتدائی تعلیم میں مذہبی تعلیم کے لزوم کے متعلق گفتگو ہوئی اور قرار پایا کہ چند روز کے بعد پھر ملکر اس موضوع پر خصوصیت کے ساتھ گفتگو کی جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب سے اس موضوع پر پھر گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موجودہ حکومت ایک قومی اور نمائندہ حکومت ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ قوم کے جذبات اور حسیات کے مطابق چلے اور اب مسلمان اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ حکومت مذہبی تعلیم دینے کی ذمہ داری نہیں لے سکتی جس کی بنا پر حکومت ابتدائی تعلیم کی ذمہ دار بنتی ہے۔ وہی دلیل مذہبی تعلیم کے لئے بھی ہے۔ البتہ حکومت کو جو انتظامی اور مالی دقتیں اس کام کے اجرا میں ہیں۔ ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں حکومت کی مالی اور انتظامی دقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابتدائی تعلیم میں۔ مذہبی تعلیم کے لزوم کے متعلق جو باتیں سرسری طور پر ذہن میں آئیں اُن کو پیش کیا گیا ہے تاکہ ماہرین کے سامنے آجائیں۔ اور وہ

ان پر غور کر سکیں۔

وزیر تعلیم کے نام

چنانچہ گفتگو کے ختم پر وزیر تعلیم سے کہا گیا کہ اسی کو قلم بند کر کے خط کی صورت میں بھیج دیا جائے گا۔ تاکہ غور و فکر کی بنیاد کے طور پر کام آوے اور ۱۹ ر رمضان المبارک مطابق ۲۳ ر نومبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم صوبہ بہار کو خط لکھا گیا۔

واردھا تعلیمی اسکیم کے صدر اور دوسرے حضرات سے گفتگو

اسی سلسلہ میں ۲۱ ر مارچ ۱۹۳۸ء مطابق ۱۸ ر محرم ۱۳۵۷ھ کو ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب سے بانکی پور میں اُن کی قیام گاہ پر حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب نے ملاقات کی اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، ڈاکٹر عابد حسین صاحب، ڈاکٹر عبد الحق صاحب اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے باتیں ہوئیں۔

۲۲ ر مارچ کو دفتر امارت شرعیہ سے اس خط کی نقل جو وزیر تعلیم صوبہ بہار کو بھیجی گئی تھی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے ملاحظہ کے لئے بھیجی گئی۔ تاکہ اُن کے علم میں بھی یہ امر آجائے اور جب موقع آئے یہ بات اُن کے پیش نظر رہے۔

امارت شرعیہ کی سعی کا دوسرا قدم

۲۲ ر مارچ کو دفتر امارت شرعیہ سے نقیب (جو امارت شرعیہ کا ترجمان ہے) ایک نوٹ مذہبی تعلیم کا لزوم (جو ۸ ر مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا) کا تراشہ وزیر تعلیم صوبہ بہار اور وزیر اعظم بہار، بابو راجندر پرشاد اور مولانا ابو الکلام آزاد صاحب کی خدمات میں روانہ کیا گیا۔ ۸ ر مارچ سے اس وقت تک جریدہ نقیب کی کوئی اشاعت ایسی نہیں ہوئی جس میں ابتدائی تعلیم میں مذہبی تعلیم کے متعلق کوئی تحریر نہ ہو۔

اس کے علاوہ ایک تحریر اس مضمون کی مشاہیر کے پاس بھیجی گئی۔ کہ مسلمانوں کی تمام تر تہذیب، تمدن اور معاشرت کی بنا ر مذہب پر ہے اب تک انگریزوں نے مسلمانوں کے تمدن کے مٹانے کے لئے طرح طرح کے نظریے پیدا کئے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ حکومت مذہبی تعلیم کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی اب کہ نئی اصلاحات نے صوبوں میں قومی حکومت کی ایک شکل پیدا کر دی ہے۔ یہ حکومتیں جیسی کچھ بھی ہوں۔ بہر حال قومی حکومتیں ہیں تو ان کو مسلمانوں کے واجبی مطالبہ سے (کہ تعلیم کے ہر درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم کیا جائے۔) بے اعتنائی نہ برتنی چاہیئے مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ وقت کے تمام مسائل سے زیادہ اہم ہے۔ اس لئے حکومت اور قوم کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ مسلمانوں کی ہر اجتماعی اور انفرادی اخلاق کی کمزوری کی بنا ر اُن کی مذہبی معلومات اور تربیت کی کمی ہی

قوم اور ملک سب کے لئے یکساں مفید ہوگی۔

امارت شرعیہ کی سعی کا پہلا نتیجہ

ان تمام کوششوں کا نتیجہ الحمد للہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی توجہ اس طرف منعطف ہوگئی خصوصیت سے جمعیۃ علماء صوبۂ بہار کے اجلاس منعقدہ چھپرہ نے ۲۸، ۲۹ ر مئی کو ایک تجویز واردھا تعلیمی اسکیم کے متعلق منظور کی جس میں مذہبی تعلیم لازمی رکھنے پر زور دیا اور اسکیم پر تنقید کی اور ایک مستقل کمیٹی بنائی اور تجویزوں کی نقلیں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کے خط کے ساتھ وزیر اعظم اور وزیر تعلیم کو بھیجی گئیں اور مجلس عاملہ جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ ۳ر اگست ۱۹۳۸ء نے بھی اس مقصد میں امارت شرعیہ خصوصیت سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی ممنون ہے۔ جس نے مذہبی تعلیم کے لزوم پر خصوصیت سے توجہ کی۔ چنانچہ جناب سید الطاف علی صاحب ہیڈ اسسٹنٹ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا خط جو ۲۲ر رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹ر اگست ۱۹۳۸ء کو موصول ہوا ہے۔ اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔ جواب گرامی نامہ نمبر ۹۰ مورخہ ۲۹ر ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ واردھا تعلیمی اسکیم کے متعلق آپ کے استفسارات کا جواب جلد نہ جا سکا۔ جس کا دلی افسوس ہے۔ تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ کانفرنس آپ کو سرسری طور پر کچھ لکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اب کہ پوری واردھا اسکیم کے بارے میں ہماری تجاویز کافی غور و خوض کے بعد تیار ہوگئی ہیں۔ اُن کی نقل مُرسل خدمت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کانفرنس کی جس کمیٹی میں یہ تجاویز مرتب ہوئی تھیں ان میں مذہبی تعلیم کے بارے میں آپ کا ایک مضمون بھی پیش ہوا تھا۔ اور اغلباً ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی رائے پر اس مضمون نے کافی اثراندازی کی (کانفرنس کی تجاویز نقیب یکم ستمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہو چکی ہیں) ملک کے اور اخباروں نے بھی اس پر مستقل مضامین لکھے۔ جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے مسلمانوں کے مذہبی تعلیم کے لزوم کے متعلق ایک مضمون بھی شائع کیا جو ان کے تعلیمی ماہر ہونے کے نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے۔ دیکھو نقیب ۱۷ر اگست ۱۹۳۸ء

گاندھی جی کا رویّہ

اس سلسلہ میں یہ عجیب افسوسناک بات دیکھنے میں آئی کہ مذہبی تعلیم کے لزوم کے متعلق مسلمانوں کا جس قدر اصرار بڑھتا گیا گاندھی جی اس کے انکار میں سخت تر ہوتے گئے اور طرح طرح کے بے معنی دلائل بھی انھوں نے دیئے جس کی مہذب اور معقول تردید نقیب میں مسلسل ہوتی رہی ہے۔

ایک طرف ہماری طرف سے ابتدائی تعلیم کے لزوم کے متعلق پیہم کوشش جاری رہی دوسری طرف حکومت نے خاموشی سے تمام مطالبات کو اس طرح ٹالا کہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے جو خطوط لکھے تھے۔ ان کا کوئی جواب بھی نہیں دیا۔

وزیر تعلیم کا بیان

یہاں تک کہ ۱۳ ردسمبر ۱۹۳۸ء کو وارد ہا تعلیمی اسکیم کے افتتاحی جلسہ میں ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم بہار کا خطبہ پڑھا گیا جس میں اُنھوں نے مذہبی تعلیم کے متعلق اپنی پالیسی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ بلا شبہ مذہبی تعلیم کا ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق اور ماحول کے بنانے میں کافی حصہ ہے لیکن اس کے بعد آپ نے مذہبی تعلیم کے دو حصے کر دئے (۱) اخلاقی تعلیم اور (۲) مذہبی اصول یا عقائد کی تعلیم۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جہاں تک پہلی قسم کی تعلیم کا تعلق ہے۔ وارد ہا اسکیم میں اس کا پورا نصاب موجود ہے جس میں پیغمبروں، مذہبی مفکروں اور رہبروں کی سوانح اور اُن کی تعلیمات درج ہیں اور دوسری قسم کی تعلیم یعنی عقائد کی تعلیم سے وزیر تعلیم نے صاف انکار کر دیا۔ وزیر تعلیم کو یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ اخلاق کی بنیاد عقائد کی سطح پر قائم ہے۔ اس لئے اخلاق کی تعلیم بغیر عقائد کے لغو اور بے معنی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ بغیر بنیاد کے عمارت کی تعمیر کی ناکام کوشش کی جائے۔

محض اخلاقی تعلیم کی ناکامی

اس موقع پر وزیر تعلیم کی واقفیت کے لئے ہم یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ حکومت ہند نے ۱۹۱۲ء میں ایک مخصوص کانفرنس اس غرض سے منعقد کی تھی کہ مذہبی تعلیم کی جگہ اخلاقی تعلیم رائج کرنے کے مسئلہ پر غور کیا جائے اور اس میں یہ طے ہوا کہ اخلاقی تعلیم بلا مذہبی تعلیم محض ایک ڈھکوسلہ ہے اور اس فیصلہ کی مزید توثیق اس تجربہ سے ہوتی ہے جو فرانس میں کیا گیا۔ (بیان ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب مطبوعہ نقیب ۷ اگست ۱۹۳۸ء $\frac{12}{4}$)

وزیر تعلیم کا مغالطہ

وزیر تعلیم کا اس کے بعد ارشاد ہے" لیکن جہاں تک دوسری قسم کی مذہبی تعلیم کا تعلق ہے۔ یہ ناقابل عمل ہے کہ حکومت کے پرائمری اسکولوں میں جس میں زیادہ سے زیادہ ایک یا دو استاد ہوں گے اور ان پر بھی کاموں کا بار ہوگا کہ صحیح مذہبی تعلیم دی جا سکے۔ ہر اسکول میں ضروری ہوگا کہ ہر مذہبی جماعت کے لوگوں کے لئے ایسے استاد رکھے جائیں جو ہر مذہب کے عقیدہ و اُصول کے مستند واقف کار ہوں۔ مثلاً سنیوں کے لئے سُنی اُستاد رکھے جائیں، شیعوں کے لئے شیعہ استاد۔ سناتن دھرمیوں کے لئے سناتن۔ دھرمی اُستاد۔ آریہ سماجیوں کے لئے آریہ سماجی استاد، جین اور وشنیوں کے لئے جین اور وشنو استاد، تمام اسکولوں میں ایسا انتظام حکومت کے اخراجات سے بعید ہے" ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

پڑ رہا ہے تو سمجھنے کی کوشش نہیں کی یا پھر وہ جان بوجھ کر مذہبی تعلیم کو سرکاری تعلیم گاہوں میں ناقابل عمل ثابت کرنے کے لئے ایسا فرما رہے ہیں۔ ان میں سے جو بات بھی ہو، بے حد افسوسناک ہے۔

اس تقریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزیر تعلیم مذاہب کے فرق کو بھی نہیں جانتے یا دانستہ دوسروں کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہندو دھرم کا کوئی مخصوص عقیدہ و عمل نہیں ہے۔ جس کی تعلیم کا سوال پیش آسکتا ہے۔ اس کے علاوہ واردھا اسکیم میں سناتن دھرمی تعلیم تو اصولاً موجود ہی ہے۔ اس پر مزید اضافہ کیا ہو سکتا ہے۔

رہا شیعوں اور سنیوں کا معاملہ، تو صوبۂ بہار میں چند ہی گاؤں ایسے ہیں جس میں شیعہ آباد ہیں۔ اس کے ماسوا اسلام کے اصولی عقائد۔ توحید، رسالت، حشر و نشر وغیرہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مذہب کا ایک حصہ فرائض و اعمال بھی ہیں جن کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا اور ظاہر ہے کہ تعلیمی اسکیم سے یہ بھی خارج ہے۔ حالانکہ بچوں کی ابتدائی تعلیم میں اس کی شمولیت کی بھی شدید ضرورت ہے۔ اور فرائض و اعمال میں بھی شیعہ، وسنی میں کوئی اصولی فرق نہیں اور ابتدائی تعلیم میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلاف کا سبب ہو۔

اختلاف جو کچھ ہے وہ ان کی تفصیل و تشریح میں ہے جن کا ابتدائی درجوں کی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب نے شیعوں اور سنیوں کی تعلیم کے لئے علیحدہ علیحدہ استاد رکھنے کی جو خوفناک مصیبت بیان کی ہے۔ وہ محض فرضی اور خیالی ہے۔ اگر وزیر تعلیم مذہبی تعلیم کے لازم کرنے کا وعدہ کریں تو ہم ایسا نصاب تعلیم تیار کرنے کی ذمہ داری لے سکتے ہیں۔ جو شیعہ و سنی دونوں کو قبول ہو اور اس کو دونوں فرقے کے علماء منظور کرلیں۔

گاندھی جی کی خواہش کی تکمیل

جو استاد پیغمبروں کی سیرت پڑھا سکتا ہے۔ وہ دوسری مذہبی کتابیں کیوں نہیں پڑھا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی تعلیم کا یہ انکار محض اس لئے ہے کہ مسلمان بچوں کو اگر مذہبی تعلیم دی جائے گی۔ تو پھر ناچنے گانے اور گاندھی جی کی مخصوص تعلیمات سے جو ملحدانہ اثرات پیدا کرنا مقصود ہے وہ باطل ہو جائے گا۔ اور گاندھی جی جس ہندو تمدن کے احیاء کے خواہشمند ہیں وہ زندہ نہ ہو سکے گا۔ ورنہ مذہبی تعلیم کا اجراء ناقابل عمل کیا معنی دشوار بھی نہیں ہے۔ دو استاد ہونے کی صورت میں تو بالکل سہل ہے۔ کہ ہندو طلبہ کے ناچنے گانے کے وقت میں مسلمان استاد مسلمان طلبہ کو مذہبی تعلیم دیگا۔

مسلمان بچوں کیلئے مذہبی تعلیم کی ضرورت

مسلمان بچوں کو مذہبی تعلیم دینے کی ضرورت اس لئے ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ کو ایک نہ سمجھے اُس کے رسولوں پر، کتابوں وغیرہ پر ایمان نہ لائے۔ تو وہ مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نماز روزہ، حج زکوٰۃ جہاد وغیرہ کو فرض نہ سمجھے تو مسلمان ہی نہیں رہ سکتا۔

اسلام کی حلال کی ہوئی اشیاء کو حلال اور حرام کی ہوئی اشیاء کو حرام نہ سمجھے تو مسلمان نہ رہے گا۔ ہندو اور مسلمان مذہب میں یہ عظیم الشان فرق ہے کہ اسلام میں مخصوص عقیدہ وعمل ہے جو تعلیم کا محتاج ہے۔ اور ہندو دھرم میں ہر وہ امر داخل ہے جو کوئی شخص اپنے کو ہندو کہتا ہوا عمل میں لائے۔ یا قابلِ عمل سمجھے اس لئے اس کی مخصوص تعلیم کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر ہوں گی۔ لیکن اس کے باوجود وہ مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم کے اجراء کے مطالبہ کو غیر اہم ثابت کرنے کی افسوسناک کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ اپنی تقریر میں ڈاکٹر صاحب خود فرماتے ہیں کہ پیغمبروں، مذہبی مفکروں اور رہبروں کی سوانح اور ان کی تعلیمات درج ہوں گی۔ اگر ان تعلیمات میں اُن کے عقائد اور اعمال و اخلاق درج کر دئے جاتے اور خصوصیت کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں وہ اُمور بقدر ضرورت لکھ دئے جائیں۔ تو یہ بھی کافی ہو جائے گا۔ لیکن اس کی توقع نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہو سکتا تو وزیر تعلیم مذہبی تعلیم کے لزوم کا اقرار کر لیتے۔

مذہبی تعلیم سے انکار کی وجہ

لیکن اصل خطرہ یہی ہے کہ اسلامی تعلیمات سے واقفیت کے بعد مسلمان بچہ گاندھی ازم اور ہندو ازم کا شکار نہیں ہوگا اور کانگریسی حکومتیں گاندھی ازم کی اشاعت کے لئے جو گمراہیاں پھیلانے کا ارادہ کر چکی ہیں۔ ان کا اسلامی تعلیمات سے خود بخود ازالہ ہو جائے گا۔

امارت شرعیہ کی سعی کا دوسرا نتیجہ

اس سلسلہ میں جو خدمت ممکن تھی امارت شرعیہ نے انجام دی۔ چنانچہ اس کی سعی وجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب صدر وارد ہا تعلیمی کمیٹی نے مذہبی تعلیم کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا کہ ان جماعتوں کو جو بچوں کو مذہبی تعلیم دلانا چاہتی ہیں اُن کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ اور اسی وجہ سے آنریبل ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم نے جو کچھ فرمایا اسی کی روشنی میں فرمایا۔ مگر ہمارے اصلی مطالبہ کے ماننے سے گریز کیا۔

وزیر تعلیم فرماتے ہیں کہ لوگوں کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جو جماعت اپنے

مذہبی اصولوں کی تعلیم دلانا چاہے اس کو اس کی اجازت ہوگی کہ وار دھا اسکولوں میں ضمنی طور پر بذات خود اس کا انتظام کرلے۔ مذہبی تعلیم کے لئے یہ عنایت بے معنی ہے۔ اس لئے کہ اگر افراد محض ہدایت کر دینے سے ہر امر کا انتظام دنیا میں کر سکتے تو حکومت کو ابتدائی تعلیم کے لئے اتنے انتظام کی ضرورت نہ تھی۔ وزیر تعلیم کا ایک اعلان کافی تھا کہ لوگ بچوں کی تعلیم کا انتظام کرلیں در اصل وزیر تعلیم کا یہ اعلان صریح دھوکہ ہے۔ جو وہ مسلمان قوم کو دے رہے ہیں۔ بہر کیف ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم نے بالفاظ صریح مذہبی تعلیم کے لزوم سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کو خواہش یہ ہے کہ مذہبی تعلیم ہر درجہ میں لازمی قرار دی جائے۔

مسلمانوں کو دعوت عمل

ان حالات کی بنا پر ہم نے ضرورت محسوس کی کہ تمام باتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیں کیونکہ اب قوم کی اجتماعی اعانت کے بغیر حصول مقصد ناممکن ہے۔ اس صوبہ کے تمام مسلمانوں اور تمام مقتدر حضرات اور انجمنوں سے التماس ہے کہ وہ اپنی رائے سے جلد اطلاع دیں کہ وہ اس راہ میں کس حد تک ہماری اعانت کے لئے طیار رہیں۔ ان کی رائیں معلوم ہو جانے کے بعد ہم قدم آگے بڑھانے کا فیصلہ کریں گے۔ اور مسلمانوں کو دعوت عمل دیں گے وما توفیقی الا باللہ۔

وار دھا اسکیم اور مذہب

"وار دھا اسکیم" سے متعلق اس مضمون نے مختلف طبقات میں ایک نمایاں ذہنی ارتعاش، اور فکری حرکت پیدا کر دی ہے۔ اس اسکیم کی بنیاد جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس دعوے پر ہے کہ اس کی رُو سے مذہب کو تعلیم سے خارج کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ مذہب کی تعلیم جھگڑوں کا باعث ہوتی ہے۔ مہاتما گاندھی جو اس اسکیم کے موجد ہیں۔ بار بار اس امر کا اعلان کر رہے ہیں۔ اور جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب۔ جنہوں نے اس اسکیم کی تفصیلات مرتب فرمائی ہیں انھوں نے بھی شملہ کانفرنس کے دوران میں یہی چیز بتائی کہ اس اسکیم کو مذہبی تعلیم سے الگ رکھا گیا ہے۔ مذہبی تعلیم اپنے اپنے گھروں میں نجی کے طور پر دلائی جاسکتی ہے۔

اگر یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہوتا تو بھی مسلمانوں کے نزدیک اس قسم کی اسکیم جس سے مذہبی عنصر الگ کر دیا گیا ہو۔ قابلِ قبول نہ ہوتی۔ لیکن بوالعجبی یہ ہے کہ یہ دعوے باوجود اس قدر ہم آہنگی کے یکسر غلط ہے۔ دعوے یہ ہے کہ اسکیم سے مذہب کو خارج کر دیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس اسکیم کی پوری بنیاد مذہب کے اُوپر ہے۔ خود اس اسکیم کے اندر یہ بات موجود ہے اور مہاتما گاندھی

کے مختلف بیانات نے اس کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ :-

(۱) بچوں کو اس بات کی تعلیم دی جائے گی کہ اہنسا کا طریق زندگی ہنسا سے اچھا ہے اور تاریخ میں ان لوگوں کے کارنامے درخشندہ طور پر ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے جنہوں نے اہنسا کے ذریعے دنیا میں کامیابی حاصل کی۔

(۲) بچوں کو یہ تعلیم دی جائے گی کہ :-

(ا) تمام مذاہب اپنے اصولوں کے لحاظ سے سچے ہیں۔ اور کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

(ب) ظواہر و رسوم (یعنی شرائع) کا اختلاف کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ اختلاف مذہبی جھگڑوں کا باعث ہے۔

(ج) مذہبی تعلیم کسی کتاب کے ذریعے سے نہیں دی جائیگی۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ تعلیم جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ کسی "مذہب" کی تعلیم ہے یا نہیں اور اگر ہے تو وہ کون سا مذہب ہے ؟

(۱) اہنسا کی صداقت کا مذہب ہندو یوگ کے فلسفہ کا نچوڑ ہے۔ پتنجلی کے شاستر میں لکھا ہے کہ "اہنسا پرمو دھرم" ہے یعنی سب سے اعلیٰ مذہب اہنسا ہے۔ پھر بدھ مت اور جین مت کی اصل بھی یہی مذہب ہے آج مہاتما گاندھی کے نزدیک تو دھرم ہی یہی ہے۔ ایسا دھرم کہ جسے وہ زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ جامعہ بابت ماہ جولائی ۱۹۳۸ء کے صفحہ پر لکھا ہے۔

> "گاندھی جی نے نیشنل ایجوکیشن بورڈ کی پچھلی نشست میں یہ تقریر کی" اس وار دہا ٹریننگ اسکول کے قیام سے ہمارا مقصد آزادی حاصل کرنا ہے۔ اور قومی بیماریوں کا مداوا تلاش کرنا آج ہمارے قومی امراض میں سب سے شدید و مہلک چیز مذہبی تعصب ہے۔ اس کے خلاف ہمیں عدم تشدد کا حربہ چلانا ہوگا۔ ہمیں اپنے مسائل کا حل اہنسا کے اصول سے کرنا ہوگا۔ ہمارے اسکولوں میں ریاضی۔ سائنس اور تاریخ کی تدریس عدم تشدد کے نقطۂ نگاہ سے کی جائے گی"

(۲) شق دوم پہلی شق سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان میں "برہمو سماج" ایک ایسا فرقہ موجود ہے جس کے اصول وہی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اُن کے مذہبی عقائد میں یہ باتیں شامل ہیں۔

(د) ہر مذہب کے پیچھے اصولوں کو اعتقادی اصول مانا جائے۔

(ب) ظواہر و رسوم پر اعتقاد نہ رکھا جائے۔ بلکہ مقصد اصلی قلبی صفائی کو قرار دیا جائے۔

(ج) اگرچہ اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد کسی کتاب پر نہ رکھی جائے۔ لیکن ہر الہامی کتاب کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کیا جائے۔

(ملاحظہ ہو رسالہ تحفۃ الموحدین از راجہ رام موہن رائے۔ وانسائیکلو پیڈیا۔ برٹانیکا۔ وانسائیکلو پیڈیا اوف ریلیجز اینڈ ایتھکس از ہیسٹنگز)

اب آپ خود اندازہ فرمالیجئے کہ اس اسکیم سے نفس "مذہب" خارج کیا گیا ہے۔ یا کوئی خاص مذہب خارج کیا گیا ہے۔ اہنسا کی تعلیم ہندو شاستروں کی تعلیم ہے۔ بدھ مت اور جین مت (جو اب ہندو مت کے اجزا بن چکے ہیں) کی تعلیم ہے۔ بالفاظ دیگر ہندوؤں کی تعلیم ہے۔ اور دوسرا حصہ برہمو سماج کی تعلیم ہے۔ جو خود ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے ان سب کی تعلیم تو اس اسکیم میں موجود ہے۔ اور یہ اعلان کئے جارہے ہیں۔ کہ مذہبی تعلیم کو اس اسکیم سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اس میں البتہ شبہ نہیں کہ اسلام کی تعلیم کو واقعی اس سے خارج کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام میں نہ تو "اہنسا پرمو دہرم" ہے اور نہ ہی "برہمو سماج" کی عالمگیر سچائی ہی اصل مذہب ہے۔ کیا ہم مہاتما گاندہی اور جناب ڈاکٹر ذاکر صاحب سے اتنا دریافت کرنے کی جرأت کرسکتے ہیں کہ ان کے دعوے میں اور اس حقیقت میں مطابقت کس طرح پیدا ہوسکتی ہے۔

پھر ایک اور بات بھی بڑی عجیب ہے۔ مہاتما گاندہی نے اپنے بیان مطبوعہ ہندوستان ٹائمز مورخہ ۷ رجولائی میں فرمایا ہے کہ میں اس بات کو بڑا خطرناک اور مہلک سمجھتا ہوں کہ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا اپنا مذہب دوسرے مذاہب پر برتری رکھتا ہے۔ لیکن اہنسا کے متعلق ایک تو شاستروں میں یہ موجود ہے کہ یہ "پرمو دہرم" (یعنی سب سے اعلیٰ مذہب) ہے اور دوسرے خود اس اسکیم میں یہ درج ہے کہ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ اہنسا کا یہ طریقۂ زندگی ہنسا سے اچھا ہے۔ اور ان دونوں کا مقابلہ کرکے بتایا جائے کہ اہنسا میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور ہنسا میں کیا کیا برائیاں۔ کیا دوسرے لفظوں میں یہ وہی بات نہیں کہ بچوں کے ذہن نشین کرایا جائے کہ ایک خاص مذہب (اہنسا کا مذہب) دوسرے مذہب (غیر اہنسا کے مذہب) سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور اہنسا کا مذہب چونکہ ہندوؤں کا مذہب ہے اور اہنسا اور ہنسا کا مذہب مسلمانوں کا مذہب ہے۔ اس لئے بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ ہندو مذہب اسلام سے اعلیٰ اور برتر ہے۔

اور اس پر یہ دعوے ہے کہ واردہا اسکیم سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا گیا ہے۔

ودیا مندر اسکیم

ہم آخر میں اس سلسلہ کو مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کے ایک مضمون پر ختم کرتے ہیں۔ مولوی صاحب کا یہ مضمون دراصل ایک خط ہے جو گاندھی جی کے نام ستمبر ۳۸ء میں لکھا گیا۔ اور اخبارات میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس خط کے ملاحظہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ودیا مندر اسکیم، واردھا اسکیم کا ایک بچہ ہے۔ جو سی۔ پی میں پیدا ہوا اور جس کو ہمہ گیر مخالفت کے باوجود زبردستی مسلمانوں پر چیپکا جا رہا ہے۔ مولانا عبدالحق اردو زبان کے زبردست حامی ہیں۔ تاہم وہ سیاسیات بلکہ لسانی مباحث سے بھی ہمیشہ محترز رہے۔

لیکن جب وہ بالکل ہی مجبور ہو گئے تو انھوں نے لسانی سیاسیات میں قدم رکھا۔ ان حالات میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ودیا مندر اسکیم یا واردہا کی تعلیمی اسکیم سے آپ کا اختلاف انتہائی خلوص پر مبنی ہے۔ اور اس باب میں آپ کے خیالات جنبہ داری اور "فرقہ پرستی" سے قطعاً پاک ہیں۔ بہرحال گاندھی جی کے نام آپ کا مکتوب حسب ذیل ہے:-

"جنوری ۳۸ء سے سی۔ پی کے مسلمان برابر شور مچا رہے ہیں۔ لیکن ہائی کمانڈ توجہ نہیں دیتی۔ جنوری میں انجمن اُردو ناگپور کا جلسہ ہوا۔ اور ایک قرارداد آنریبل وزیر تعلیم کی خدمت میں بھیجی گئی۔ پھر انجمن کے ایک رُکن نے معزول شدہ مسلمان وزیر کی معیت میں گاندھی جی سے ملاقات کی۔ گاندھی جی نے تسلیم بھی کر لیا کہ واقعی ودیا مندر نام بعض حیثیت سے قابلِ اعتراض ہے۔ اور ایک وعدہ بھی کیا۔ پھر مارچ میں مسلمانوں کا ایک عام جلسہ ناگپور میں ہوا۔ انجمن ترقی اُردو نے بھی دوبارہ ایک جلسہ کیا۔ لیجسلیٹو اسمبلی کے مسلمان ممبروں نے بھی اپنے دستخطوں سے اعلان کر دیا نیشنلسٹ مسلمانوں کے ایک وفد نے شری بوس صدر کانگریس سے ملاقات کی اور اُنہوں نے وفد کے مطالبات سے کامل اتفاق بھی ظاہر کیا۔ صوبے کے کانگریسی مسلمانوں کی ایک کانفرنس نے بھی ودیا مندر کے خلاف قرار داد منظور کی اسی طرح ایجوکیشنل کانفرنس برار نے بھی ودیا مندر سکیم کے خلاف سخت رنج و افسوس کا اظہار کیا۔ یعنی جہاں تک اس سکیم کا تعلق ہے۔ باوجود شدید سیاسی اختلافات کے صوبے کے سب مسلمانوں نے ایک آواز ہو کر اس کی مخالفت کی۔ غل مچایا۔ دُہائی دی کہ ہم کو اس سکیم کی کسی کمیٹی تک میں نہ لیا گیا۔ لیکن ادھر مفروضیت و مشغولیت میں بے پروائی

و بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ ملکی و ہندوں کی اہمیت سے گویا زبان اردو کی زبان ہندی کا حکم مل چکا تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اقلیتوں کی زبان و تہذیب کی محافظ ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میری انجمن کا نمائندہ قصبہ پانڈھرنا (ضلع چھندواڑہ) کے مدرسہ میں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اسکول کے شروع ہونے سے پیشتر ہندو اور مسلمان لڑکے سرسوتی کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کر رہے ہیں۔ مسلمان لڑکے ان مدرسوں میں پڑھ کر سلام تک بھول گئے ہیں۔ اور اب وہ سلام کی جگہ "نمستے"۔ اور "رام جی کی جے"۔ کہتے ہیں۔ کیا زبان اور تہذیب کی حفاظت کے یہ ہی معنی ہیں ؟

مہاتما جی ! ہم نے ہر جائز اور آئینی کوشش کر کے دیکھ لیا۔ آپ سے یہ آخری گزارش ہے اور اگر اس کے بعد بھی کوئی شافی جواب نہ ملا تو میں آپ کو بصد عاجزی متنبہ کرتا ہوں کہ پھر مسلمانوں کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ رہے گا کہ وہ آپ ہی کے ہتھیار آپ کے مقابلہ میں استعمال کریں "

(بحوالہ ہمایوں بابت اکتوبر ۳۸ء)

مطبوعات دائرہ طلوع اسلام

الحمدللہ کہ دائرہ طلوع اسلام کی مطبوعات نے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی شہرت حاصل کرلی ہے۔ واردھا اسکیم کے تین ایڈیشن نکل چکے گفتگوئے مصالحت دوبارہ طبع کرائی گئی اسی طرح دیگر رسائل بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہے ہیں۔ اِن مطبوعات کی خصوصیت یہ ہے کہ انکا نفع کسی فرد واحد کو نہیں پہونچتا بلکہ اسکو طلوع اسلام کی ترقی اور دیگر تالیفات پر صرف کیا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرت

مشہور متکلم اسلام مولانا غلام احمد صاحب پرویز نے اس رسالہ میں صحیح اسلامی معاشرتی زندگی کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم انسانی زندگی کو کس سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے اگر آپ اپنی زندگی کا نصب العین معلوم کرکے اپنی سیرت کی تشکیل قرآن کریم کی مدد سے کرنا چاہتے ہیں تو اسے ضرور ملاحظہ کیجیے، قیمت ۴ر محصولڈاک ۱ر

واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

(از جناب رازی) اس کا چوتھا ایڈیشن بھی جو کئی ہزار کی تعداد میں چھپا تھا ختم ہو رہا ہے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اس کی مانگ جاری ہے۔

قیمت مع محصول ۱ر

سوراجی اسلام

(از جناب رازی) سیاسیاتِ ہند میں تہلکہ ڈالنے والی کتاب جنے کانگرسی لیڈروں کے عزائم کو بے نقاب کر دیا ہے، الہلال کے دورِ اول میں مولانا ابوالکلام آزاد کے خیالات کیا تھے۔ اسلامی تہذیب کو مٹانے کے لیے کانگریسیوں کا متحدہ محاذ قیمت فی نسخہ ۲ر محصول ۲ر

زبان کا مسئلہ

(از جناب رازی۔ اس رسالہ میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ کانگرسی اور غیر کانگرسی ہندو کس طرح اُردو کو تباہ کرکے ہندی اور سنسکرت کو ہندوستان کی قومی زبان بنا رہے ہیں۔ کانگرسی حکومتوں کے سرکاری ریکارڈ سے بتایا گیا ہے کہ ہندو وزیر اُردو کو برباد کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کر رہے ہیں قیمت ۱۰ر علاوہ محصول

دفتر طلوع اسلام بلیماران دہلی

طلوعِ اسلام

یعنی

ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کا ماہوار مجلّہ۔ جو اسلام کے جماعتی نصب العین کے مطابق مئی ۱۹۳۸ء سے شائع ہو رہا ہے۔

طلوعِ اسلام

کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ تمام اُمتِ اسلامیہ کا مشترکہ پرچہ ہے اس کا

نصب العین

مسلمانوں میں جماعتی زندگی کا احیا، قرآن کریم کے حقائق و علوم کی اشاعت، سیاسیاتِ حاضرہ میں مسلمانوں کی صحیح اور سچی رہنمائی ہے۔

جو لوگ !

مغربی علوم و فنون سے مرعوب ہو چکے ہیں اُن کو یہ رسالہ بتائے گا کہ دُنیا خواہ کتنی ہی آگے نکل جائے قرآن کریم ہر زمانہ میں اُس سے آگے ہی نظر آئے گا۔

بلند پایہ مضامین !

کا اندازہ اِس سے لگائیے کہ اکثر مضامین کتابی شکل میں کئی کئی بار طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ وہ سیاسیات حاضرہ میں مسلمانوں کا سچا رہنما، بہترین مشیر اور ان پر غور و فکر کی راہیں کشادہ کرنیوالا ہے۔

قیمت سالانہ پانچ روپیہ ۵ر

نمونہ مفت طلب فرما کر خریداری کا فیصلہ کیجیے! (منیجر طلوع اسلام بلیماران دہلی)